

یہ تو نہیں کہ علماء کے فتووں میں کسی فتوے کو ترجیح دے، لیکن یہ اسی کا کام ہے کہ مفتیوں اور علماء میں سے جس کو اپنے نزدیک علم اور دیانت کے اعتبار سے زیادہ افضل جانتا ہے اس کے فتوے پر عمل کرے، مگر دوسرے علماء اور مفتیوں کو برا کہتا نہ پھیرے، ایسا عمل کرنے کے بعد اللہ کے نزدیک وہ بالکل بڑی ہے، اگر حقیقت کوئی غلطی فتویٰ دینے والے سے ہو بھی گئی تو اس کا وہی ذمہ دار ہو، خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ ہر اختلاف مطلقاً مذموم اور نہ ہر اتفاق مطلقاً محمود و مطلوب ہے اگرچہ رواد کو، باغی ایک جماعت بنا کر یا ہم متفق ہو جائیں تو کون نہیں جانتا کہ ان کا یہ اتفاق مذموم اور قوم کے لئے مہلک ہے، اور اس کے خلاف جو سعی و عمل عوام یا پولیس وغیرہ کی طرف سے اس جماعت کی مخالفت میں ہوتا ہے وہ ہر عقلمند کی نظر میں اختلاف محمود و مفید ہو، معلوم ہوا کہ خرابی اختلاف رائے میں نہیں اور نہ کسی ایک رائے پر عمل کرنے میں ہو بلکہ ساری خرابیاں دوسروں کے متعلق بدگمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں جو علم و دنیا کی کمی اور اغراض و آہوائی کی زیادتی کا نتیجہ ہوتا ہے، اور جب کسی قوم یا جماعت میں یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے تو ان کے لئے یہ اختلاف رحمت بھی اختلاف عذاب کی صورت میں منتقل ہو جاتا ہے، اور مسلمانوں کی پارٹیاں بن کر ایک دوسرے کے خلاف جنگ جہل اور بھین اوقات قتل و قتال تک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور ایک دوسرے کے خلاف لعن طعن اور دل آزار کلمات کو تو مذہب کی حمایت سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ مذہب کا اس عشو اور زیادتی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ یہ وہی جدال ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے، صحیح احادیث میں اس کو قوموں کی مگرابی کا سبب قرار دیا ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

دوسری آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ کی برادری یعنی قریش مکہ کی مخالفت حق کا ذکر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ یہ لوگ جو آپ سے وقوع عذاب کا معتق وقت پوچھتے ہیں، آپ ان سے فرمادیں کہ میں اس کام کے لئے مسأط نہیں کیا گیا، بلکہ ہر بات کا ایک وقت اللہ کے علم میں مقرر ہے، وہ اپنے وقت پر ہو رہے گی، اور اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔

وَإِذَا آيَاتُ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ
اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو کہ جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر
حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِنَّمَا يُغِيثُكَ الشَّيْطَانُ
یہاں تک کہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۚ وَمَا عَلَى
قومت بیٹھ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ اور پرہیزگاروں
الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذِكْرِ لَعَلَّهُمْ
پر نہیں ہے جھگڑنے والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن ان کے ذمہ نصیحت کرنے
يَتَّقُونَ ۚ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَضَهُمْ
ہر نہ کہ وہ ڈریں، اور چھوڑنے ان کو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ اور دھوکا
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهِ أَن تَبْسِلَ نَفْسُ بِنَا كَسَبَتْ
ان کو دنیا کی زندگی لے اور نصیحت کر ان کو قرآن سے تاکہ گرفتار نہ ہو جائے کوئی اپنے کئے میں،
لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا سَفِيحٌ ۚ وَإِنْ تَعَدَّلْ كُلٌّ
کہ نہ ہو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا، اور اگر بدلے میں دے سادگی
عَدْلٌ لَا يُوْخِذُ مِنْهَا ۚ وَلِلَّهِ الدِّينُ الْأَبْسَلُ ۚ إِنَّمَا كَسَبُوا
بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے وہی لوگ ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں،
لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ إِنَّمَا كَسَبُوا يَكْفُرُونَ
ان کو پناہ ہے گرم پانی اور عذاب ہے دردناک بدلے میں کفر کے
قُلْ أُنذِرُكُمْ عَوَامِنَ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَ
تو کہہ دے کیا ہم بھاریں اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع پہنچا سکیں ہم کو اور نہ نقصان اور
نُزِرُ عَلَى أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ
کیا پھر جاویں ہم آگے پاؤں اس کے بعد کہ اللہ سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو مثل اس شخص کے کہ
الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ خَيْرَانِ ۚ لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ
رستہ بھلا دیا ہو اس کو جنہوں نے جھگڑ میں جبکہ وہ حیران ہو اس کے رفیق بلاتے ہیں اس کو
إِلَى الْهُدَى ۚ أَفَتَبْنَاهُ قُلْ إِنْ هَدَى اللَّهُ هُوَ الْهُدَى ۚ وَ
رستہ کی طرف کہ چلا آجائے پاس تو کہہ دے کہ اللہ نے جو راہ بتلائی وہی سیدھی راہ ہے اور
أَمْرًا نَسْلَمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ
ہم کو حکم ہو کہ تابع رہیں پروردگار عالم کے، اور یہ کہ قائم رکھو نماز کو اور

اَتَقْوُهُمْ وَهُوَ الَّذِي اِلَيْهِ تُخْشَوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يَخْلُقُ

ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کے سامنے تم سب اکٹھے ہو گے اور وہی ہے جس نے پیدا کیا

السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ بِالْحَقِّ ۚ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ

آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر اور جس دن کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا

قَوْلَهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يَقْفُضُ فِي الصُّورِ عِلْمُ الْغَيْبِ

اس کی بات سچی ہے اور اس کی سلطنت ہے جس دن چھوڑا جائے گا صور جاننے والا بھی

وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْغَنِيُّ ۝

اور شہادت والے اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا

خلاصہ تفسیر

اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات (اور احکام) میں عیب جی کر رہے ہیں تو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے کنارہ کش ہو جا، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے (یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی مانعیت یاد نہ لے) تو جب یاد آوے یا دکنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ بلکہ فوراً اٹھ کھڑا ہو اور اگر کوئی واقعی دنیوی یا دینی ضرورت ایسی مجلس میں جانے کی ہو تو اس کا حکم یہ ہو کہ جو لوگ (ممنوعات شرعیہ سے جن میں بلا ضرورت ایسی مجالس میں جانا بھی داخل ہے) احتیاط رکھتے ہیں، ان پر ان (طاعین و مکذبین) کی باز پرس (اور گناہ طعن) کا کوئی اثر نہ پہنچے گا (یعنی بضرورت وہاں جانے والے گنہگار نہ ہوں گے) و لیکن ان کے ذمہ (بشرط قدرت) نصیحت کر دینا ہو شاید وہ (پلٹے دینے والے) بھی (ان خرافات سے) احتیاط کرنے لگیں (خواہ قبول اسلام کر کے خواہ ان کے لحاظ سے) اور کچھ مجالس تکذیب کی تخصیص نہیں، بلکہ ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جھٹولنے اپنے (اس) دین کو (جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو) ہو و لعل بنا رکھا ہے کہ اس کے ساتھ تم سخر کرتے ہیں اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ اس کی لذات میں مشغول ہیں اور آخرت کے منکر ہیں، اس لئے اس تم سخر کا انجام نظر نہیں آتا اور کنارہ کشی و ترک تعلقات کے ساتھ ایسے لوگوں کو اس قرآن کے ذریعہ سے (جس سے یہ تم سخر کر رہے ہیں) نصیحت بھی کرتا رہے تاکہ کوئی شخص اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں) اس طرح نہ پھنسے

کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو اور یہ کیفیت ہو کہ اگر (بالفرض) دنیا بھر کا محتاج بھی دے ڈالے کہ اس کو خرچ کر کے عذاب سے بچ جاوے، تب بھی اس سے نہ لیا جاوے (تو نصیحت سے یہ فائدہ ہے کہ اعمال بد کے انجام پر تہہ ہو جاتا ہے، آگے مانتا نہ ماننا دوسرا جانے چنانچہ یہ تم سخر کرنے والے) ایسے ہی ہیں کہ نصیحت نہ مانی اور اپنے کردار (بد) کے سبب (عذاب میں) پھنس گئے (جس کا آخرت میں اس طرح ظہور ہو گا کہ) ان کے لئے نہایت تیز (کھولنا ہو پانی) پینے کے لئے ہو گا اور اس کے علاوہ اور اس طرح بھی (در دناں سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب) کہ کردار بد یہی ہے جس کا ایک شعبہ تم سخر تھا، آپ (سب مسلمانوں کی طرف سے ان مشرکین سے) کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا تمہاری مرضی کے موافق ایسی چیز کی عبادت کریں کہ نہ وہ (اس کی عبادت کر لیں صورتیں) ہو کوئی بیچارہ نہ ہوتا اور نہ وہ (اس کی عبادت کر لیں صورتیں) ہم کو نقصان پہنچانے پر قادر ہوئے (ہر اور اس سے کہہ باطلہ میں کہ بعض کو تو اصل قدرت نہیں اور جبکہ کچھ بالذات نہیں اور موجود ہیں کم از کم اپنے موافق اور مخالفت کو نفع و ضرر پہنچانے کی تو قدرت ہو نا چاہے تو کیا ہم ایسوں کی عبادت کریں) اور کیا (معاذ اللہ) ہم (اسلام سے) اٹلے پھر جاویں بعد اس کے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے (طریق حق کی) ہدایت کر دی ہے (یعنی اڈل تو مشرک خود ہی قبیح ہے، پھر خصوصاً بعد اختیار اسلام کے تو اور زیادہ شنیع ہے ورنہ ہماری تو وہ مثال ہو جاوے) جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جگہ میں (بہکا کر راہ سے) بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو (اور) اس کے کچھ ساتھی بھی تھے کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف (بچا رہا کر) بلا رہے ہیں کہ (ادھر) ہمارے پاس آ کر (مگر وہ غایت حیرت سے نہ سمجھتا ہے نہ آتا ہے) حاصل یہ کہ جیسا یہ شخص راہ پر تھا لیکن اپنے راہ داں رفقا سے جدا ہو کر غولان یا بانی کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بے راہ ہو گیا، اور وہ رفقا، اب بھی اس کو راہ پر لاتے ہیں، مگر وہ نہیں آتا، ایسی ہی ہماری حالت ہو جاوے کہ راہ اسلام پر ہو کر اپنے ہادی پیغمبر سے جدا ہوں اور مضلین کے چہر میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاویں اور وہ ہادی پھر بھی خیر خواہی سے دعوت اسلام کرتے رہیں اور ہم مگر ابھی کو نہ چھوڑیں، یعنی کیا ہم تمہاری مرضی پر عمل کر کے اپنی ایسی مثال بنالیں، آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (جب اس مثال سے معلوم ہو کہ راہ سے بے راہ ہونا برا ہے اور یہ) یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ اللہ ہی کا (بتلایا ہو) راہ ہے (اور وہ اسلام ہے، پس یقیناً اس کا ترک کرنا بے راہ ہونا ہے، پھر ہم کب چھوڑ سکتے ہیں) اور (آپ کہہ دیجئے کہ ہم مشرک کیسے کر سکتے ہیں، ہم کو (تو) یہ حکم ہوا ہے کہ ہم اپنے مطیع ہو جاویں ہر درگاہ عالم کے (جو مفسر ہے اسلام میں) اور یہ (حکم ہوا ہے) کہ نماز کی پابندی کرو جو کہ

توحید پر ایمان کی ظاہر تر علامت ہے) اور (یہ حکم ہوا ہے کہ) اس سے (یعنی اللہ سے) دور رہی مخالفت نہ کرو، جس میں سب سے بڑھ کر شرک ہے) اور وہی (اللہ) ہے جس کے پاس تم سب رقیامت کے دن قبروں سے نکل کر حساب کے لئے، جمع کئے جاؤ گے (وہاں مشرکین کو اپنے شرک کا خمیازہ جھگٹنا پڑے گا) اور وہی (اللہ) ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو با فائدہ پیدا کیا (جس میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے خالق کے وجود اور توحید پر استدلال کیا جائے) پس یہ بھی توحید کی ایک دلیل ہے) اور (اوپر جو مختصر ذکر میں حشر یعنی قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دی ہے اس کو بھی کچھ مستبعد مت سمجھو کیونکہ وہ قدرتِ اکہمہ کے ساتھ اس قدر آسان ہے کہ) جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ (حشر) تو ہو جاؤ (وہ حشر فوراً) ہو پڑے گا اس کا (یہ) کہنا با اثر ہے (خالق نہیں جانتا) اور (حشر کے روز) جبکہ صور میں (بحکمِ الہی دوسری بار فرشتہ کی) بھونک ماری جائے گی، ساری حکومت (حقیقتاً بھی ظاہر رہے گی) خاص اسی (اللہ) کی ہوگی (اور وہ اپنی حکومت سے موعظین و مشرکین کا فیصلہ کرے گا) وہ (اللہ) جانتے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا (پس مشرکین کے اعمال و احوال کا بھی اس کو علم ہی) اور وہی ہے بڑی حکمت والا (اس لئے مناسب مناسب جزاء ہر ایک کو دے گا اور وہی ہے) پوری خبر رکھنے والا (اس لئے کسی امر کا اختفاء اس سے ممکن نہیں)۔

معارف و مسائل

اہل باطل کی مجلسوں آیات مذکورہ میں مسلمانوں کو ایک اہم اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ جس سے ہر پرہیزگار حکم کا غور کرنا گناہ ہے اس کے کرنے والوں کی مجلس میں شریک رہنا بھی گناہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے جس کی تفصیل یہ ہے کہ:-

پہلی آیت میں لفظ **تَوَحُّدٌ**، خوص سے بنا ہے جس کے اصل معنی پانی میں اترنے اور اس میں گزرنے کے ہیں، اور لغو و فضول کاموں میں داخل ہونے کو بھی خوص کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ عموماً اسی معنی میں استعمال ہوا ہے **وَتَوَحُّدٌ تَوَحُّدٌ**۔

التَّوَحُّدُ اور **تَوَحُّدٌ** جو **تَوَحُّدٌ** سے نکلتا ہے، وغیرہ آیات اس کی شاہد ہیں۔

اس لئے خوص فی الکلمات کا ترجمہ اس جگہ عیب جوئی یا جھگڑنے کا کیا گیا ہو یعنی جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں محض لہو و لعب اور استہزاء و تمسخر کے لئے دخل دیتے ہیں اور عیب جوئی کرتے ہیں تو آپ ان سے اپنا رخ پھیر لیں۔

اس آیت کا خطاب عام ہر مخاطب کو ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں اور اُمت کے افراد بھی، اور درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب بھی عام مسلمانوں کو ملنے کے لئے ہے ورنہ آپ تو بچپن میں بھی ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوئے، اس لئے کسی ممانعت کی آپ کو ضرورت نہ تھی۔

پھر اہل باطل کی مجلس سے رخ پھرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اس مجلس سے اٹھ جائیں، دوسرے یہ کہ وہاں رہتے ہوئے کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، انکی طرف التفات نہ کریں، لیکن آخر آیت میں بتلادیا گیا کہ مراد پہلی ہی صورت ہے، کہ ان کی مجلس میں بیٹھ نہ رہیں، وہاں سے اٹھ جائیں۔

آخر آیت میں فرمایا کہ اگر تم کو شیطان بھلا دے، یعنی بھول کر ان کی مجلس میں شریک ہو گئے خواہ اس طرح کہ ایسی مجلس میں شریک ہونے کی ممانعت یا و نہ رہی، یا اس طرح کہ یہ یاد نہ رہا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تذکرے اپنی مجلس میں کیا کرتے ہیں، تو اس صورت میں جس وقت بھی یاد آجائے اس وقت اس مجلس سے اٹھ جانا چاہئے، یاد آ جانے کے بعد وہاں بیٹھا رہنا گناہ ہے، دوسری ایک آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد ہوا ہے، اور اس کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم وہاں بیٹھے رہے تو تم بھی انہی جیسے ہو۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت کا اصل منشاء گناہ کی مجلس اور مجلس والوں سے اعراض اور کنارہ کشی ہے، جس کی بہتر صورت تو یہی ہے کہ وہاں سے اٹھ جائیں لیکن اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو عوام کے لئے یہ بھی جائز ہو کہ کنارہ کشی کی کوئی دوسری صورت اختیار کر لیں مثلاً کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، اور ان لوگوں کی طرف التفات نہ کریں، مگر خواص جن کی دین میں اقتدار کی جاتی ہے ان کے لئے وہاں سے بہر حال اٹھ جانا ہی مناسب ہے۔

اس کے بعد فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا**، یعنی اگر تم کو شیطان بھلا دے، اس کا خطاب عام مسلمانوں کو ہے تو بات صاف ہے کہ بھول اور نسیان ہر انسان کے ساتھ لگے ہوتے ہیں، اور اگر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے رسول و نبی پر بھی بھول اور نسیان کا اثر ہو جائے تو ان کی تعلیمات پر کچھ اعتماد و اطمینان رہ سکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کسی خاص حکمت و مصلحت کے تحت بھول

ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ان کو تنبیہ بدرجہ وہی ہو جاتی ہے جس سے وہ بھول پر واکا نہیں رہتے، اس لئے بالآخر ان کی تعلیمات بھول اور لسیان کے شبہ سے پاک ہو جاتی ہیں۔

بہر حال آیت کے اس جملہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ہمدونسیان سے کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے تو وہ معاف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حدیث میں ارشاد ہے،

رَفِيعٌ عَنْ أُمَّتِي الْغَلَطُ وَالْذَلِيلُ
یعنی میری امت سے غلط اور بھول کا
اور اس کام کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے جو
کسی نے زبردستی اس سے کر دیا ہو ۛ

امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو

ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہئے جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یا شریعت اسلام کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں اور اس کو بند کرنا یا کرنا یا کم از کم حق

بات کا انہار کرنا اس کے قبضہ و اختیار میں نہ ہو، ہاں اگر ایسی مجلس میں بہ نسبت اصلاح

شریک ہو اور ان لوگوں کو حق بات کی تلقین کرے تو مضائقہ نہیں۔ اور آخر آیت میں جو

یہ ارشاد ہے کہ یاد آ جانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو، اس سے امام جصاصؒ نے

یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسے ظالم بے دین اور دریدہ دین لوگوں کی مجلس میں شرکت

کرنا مطلقاً گناہ ہے، خواہ وہ اس وقت کسی ناجائز گفتگو میں مشغول ہوں یا نہ ہوں،

کیونکہ ایسے لوگوں کو ایسی بیہودہ گفتگو شروع کرتے ہوئے دیر کیا لگتی ہے، وجہ ہتھلا

کی یہ ہے کہ اس میں مطلقاً ظالموں کے ساتھ بیٹھنے کو منع فرمایا گیا ہے، اس میں یہ شرط

نہیں کہ وہ اس وقت بھی ظلم کرنے میں مشغول ہوں۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں بھی یہی مضمون واضح طور پر بیان ہوا ہے فرمایا کہ

وَلَا تَقْرَبُوا الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ إِذَا تَوَلَّوْا إِلَىٰ آلِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ وَأُولَٰئِكَ يَنفَرُونَ مِمَّا قَدَرُوا

یہ وہ اگر اپنے کام سے مجبور حرام میں جائیں تو ان شریروں کو ان کے اعمال بد کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہاں اتنی بات ان کے ذمہ ہے کہ حق بات ان کو پہنچا دیں کہ شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کر کے صحیح راستہ پر آجائیں۔

دوسری آیت میں بھی تقریباً اسی مضمون کی مزید تاکید اس طرح ارشاد فرمائی گئی ہے،

وَلَا تَقْرَبُوا الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ إِذَا تَوَلَّوْا إِلَىٰ آلِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ وَأُولَٰئِكَ يَنفَرُونَ مِمَّا قَدَرُوا

کے معنی ہیں کسی چیز سے ناراض ہو کر اس کو چھوڑ دینا، معنی آیت کے یہ ہیں کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنہوں نے اپنے دین کو ہول و لعب یعنی مشغلہ اور کھیل بنا رکھا ہے، اس کے دو

معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ جو دین حق یعنی اسلام ان کے لئے بھیجا گیا ہے، اس کو ہول و لعب بنا رکھا ہے، اس کا اتہار، تمسخر کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ انہوں نے اصل دین کو چھوڑ کر اپنا

دین و مذہب ہی ہول و لعب کو بنالیا ہے، دونوں معنی کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَتَقَرَّبُوا إِلَىٰ آلِهِمْ لِيَقُولُوا سَبَّحُوا لِلَّهِ نَحْمُہُ وَنُحْمُہُ یعنی ان کو دنیا کی چند روزہ

زندگی لے غور اور دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے، یہ ان کے مرض کا اصلی سبب بیان فرمایا کہ ان کی

اس ساری سرکشی اور نافرمانی کا اصلی سبب یہ ہے کہ دنیا ہی کی چند روزہ زندگی پر مفتون

ہیں، اور آخرت کو بھٹکانے بیٹھے ہیں، اگر آخرت اور قیامت کا اعتقاد ہوتا تو ہرگز وہ یہ حرکتیں

نہ کرتے۔

آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کو ڈھکھڑاتے ہوئے ہیں، اولیٰ

یہ کہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کریں جس کا بیان مذکورہ جملہ میں آچکا ہے، دوسرے یہ

کہ صرف ان لوگوں سے کنارہ کشی اور اعراض بھی کافی نہیں، بلکہ ایجابی طور پر یہ بھی ضروری ہو

کہ قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت بھی کرتے رہیں اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے بھی رہیں۔

آخر آیت میں اس عذاب کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی، کہ اگر ان کی یہی حالت رہی

تو یہ اپنے کردار بد کے جال میں خود پھنس جائیں گے، آیت میں اس جگہ اَنۡ تَجِبَلۡسَ كَالۡفُلۡفُلِ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتلادیا کہ خدا کے جرم کے لئے سزا سے بچانے والا نہ کوئی دوست عزیز ہو سکتا ہے، نہ کسی کی سفارش بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے چل سکتی ہے اور نہ کوئی مال قبول کیا جاسکتا ہے، بلکہ اگر سارے جہان کا مال بھی اس کے قبضہ میں ہو اور وہ اس سب مال کو سزا سے بچے کا فدیہ بنانا چاہے تب بھی یہ فدیہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔

آخر آیت میں فرمایا اُولَئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنَاكَ اِيْمًا كَسِبُوْا اَلَهُمْ شَرًّا مِّنْ تَرْتِیْ حَسِبُوْا اَنْ اِلٰهَهُمْ یَمْنًا کَا تُوْا یَنْکُفُّوْنَ وَاِنَّ یَوْمَیْہِ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال بد کی سزا میں پکڑ لئے گئے ہیں، ان کو پینے کے لئے جہنم کا کھول ہوا پانی ملے گا، جس کے متعلق دوسری آیت میں ہے کہ وہ ان کی انتزیدوں کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دے گا، اور اس پانی کے علاوہ دوسرے بھی دردناک قسم کے عذاب ہوں گے ان کے کفر و انکار کے بدلے میں۔

اس آخری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ آخرت سے غافل صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہیں، ان کی صحبت و مجالست بھی... انسان کے لئے ہلک ہے، اس کا انجام یہ ہے کہ ان کی صحبت میں رہنے والا بھی اس عذاب کا شکار ہوگا جس میں وہ مبتلا ہیں۔

ان تینوں آیتوں کا حاصل مسلمان کو بُرے ماحول اور بُری صحبت سے بچانا ہے جو انسان کے لئے جہنم قافل ہے، قرآن وحدیث کی بے شمار نصیحتوں کے علاوہ مشاہدہ اور تجربہ اس کا گواہ ہے کہ انسان کو تمام بُرائیوں اور جرائم میں مبتلا کرنے والی چیز اس کی بُری سوسائٹی اور بُرا ماحول ہے جس میں پھنسنے کے بعد انسان اول تو غلات ضعیفہ اور غلات طبع برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور پھر جب عادت پڑ جاتی ہے تو بُرائی کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے، بلکہ بُرائی کو بھلائی اور بھلائی کو بُرائی سمجھنے لگتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اول گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اور جیسے سفید کپڑے میں ایک سیاہ نقطہ پڑے گا، کو ناکوار ہوتا ہے اس کو بھی گناہ سے دل میں ناگواری پیدا ہوتی ہے، لیکن جب ایک کے بعد دوسرا اور تیسرا گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور پچھلے گناہ سے توبہ نہیں کرتا تو یسے بعد دیگرے سیاہ نقطے لگتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ دل کی نورانی لوح بالکل سیاہ ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو بھلے بُرے کی تمیز نہیں رہتی، قرآن مجید میں اسی کو لفظ ذُلَّان سے تعبیر فرمایا ہے، کَلَّا بَلْ اِنَّ ذُلَّانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَا تُوْا یَنْکُفُّوْنَ وَاِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَیْسَ لَہُمْ فِیْہِمْ اِلٰہٌ سِوَ اللّٰہِ کہ اب صلاحیت ہی مفقود ہو گئی ہے اور جہاں تک غور کیا جائے انسان کو اس حالت پر پہنچانے والی چیز اکثر اس کا غلط

ماحول اور بُری صحبت ہوتی ہے، لہذا باللہ منہما، اسی لئے بچوں کے مرتبوں کا فرض ہے کہ بچوں کو ایسے ماحول اور سوسائٹی سے بچانے میں پوری کوشش کریں۔ اگلی تین آیتوں میں بھی شرک کے ابطال اور توحید اور آخرت کے اثبات کا مضمون ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰہِیْمُ لَیْبِیْہِ اِنِّیْ رَاۤیْتُ سَمٰوٰتِیْ فِیْ سَمٰوٰتِہِمْ اَصْنَامًا مَّا اِلٰہَہٗ ۚ

اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ اور کو کہا تو مانتا ہے بتوں کو خدا،

اِنِّیْۤ اَرٰیۤکَ وَ قَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۴ وَ کَذٰلِکَ نُرِیْ

میں دیکھتا ہوں کہ تو اور تیری قوم صریح گمراہ ہیں اور اسی طرح ہم دکھاتے گئے

اِبْرٰہِیْمَ مَلٰکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَیْسَ کُوْنٌ مِّنْ

ابراہیم کو محجبات آسمانوں اور زمینوں کے اور نہ تاکہ اس کو

الْمُؤَقِنِ ۝۱۵ فَلَکُمَا جَنّٰ عَلَیہِ الْاِیْلُ رَاۤیْکُمَا جَبَّ ۚ قَالَ

یقین آ جاوے، پھر جب اللہ ہراکریا اس پر رات نے دیکھا اس نے ایک ستارہ بولا

ہٰذَا رَیِّیْ ۚ فَلَکُمَا اَفْلَ قَالَ لَا اَحِبُّ الْاَفْلٰی ۝۱۶ فَلَکُمَا

یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہو جانے والوں کو پھر جب

رَا الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ ہٰذَا رَیِّیْ ۚ فَلَکُمَا اَفْلَ قَالَ لَیْسَ لَکُم

دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اگر نہ ہایت

یَمْہِدُنِیْ سَرَبٰی لَا کُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّیْنَ ۝۱۷ فَلَکُمَا سَآءَ

کرنے کا مجھ کو رب میرا تو بیشک میں ہوں گمراہ لوگوں میں پھر جب دیکھا

الشَّمْسُ بَازِعَةً قَالَ ہٰذَا رَیِّیْ ۚ ہٰذَا اَکْبَرُ ۚ فَلَکُمَا اَفْلَ قَالَ

سورج چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا یہ سب بڑا ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا

لِقَوْمٍ اِنِّیْۤ اَبْرٰیۤہِمْ مِمَّا شَرَّکُوْنَ ۝۱۸ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْہَیْ

لے میری قوم میں ہزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو، میں نے متوجہ کر لیا بتوں کو اسی کی طرف

لِلَّذِیْۤ اٰتٰی قَطْرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ حَقِیْقًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الشَّٰرِکِیْنَ ۝۱۹

جس نے بنائے آسمان اور زمین ہر ایک کو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا

تواستقلال قدرت مفقود ہے) بلکہ اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے (تو وہ دوسری بات ہو وہ ہو جاوے گی، لیکن اس سے آہ و بار بار باطلہ کی قدرت کا ثبوت یا ان سے غوث کی ضرورت کب لازم آئی اور) میرا پروردگار (جس طرح قادر مطلق ہے جیسا ان اشیاء سے معلوم ہوا اسی طرح وہ) ہر چیز کو اپنے (احاطہ) علم میں (بھی) گمیرے ہوئے ہے (غرض قدرت و علم دونوں اسی کے ساتھ مخصوص ہیں اور تمہارے آہ کو نہ قدرت ہے نہ علم ہے) کیا تم (سننے) ہو اور (پھر بھی) خیال نہیں کرتے اور (جس طرح میرے نہ ڈرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارے معبود و علم و قدرت سے محض معترتی ہیں، اسی طرح یہ بات بھی تو ہے کہ میں نے کوئی کام اور کیا بھی تو نہیں تو پھر) میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) استحقاق عبادت اور اعتقاد ربوبیت میں) شریک بنایا ہے، حالانکہ تم کو ڈرنا چاہئے دو چیز سے، اول تم نے ڈر کا کام یعنی شریک کیا ہے، جس پر عذاب مرتب ہوتا ہے، دوسرے خدا کا عالم اور قادر ہونا معلوم ہو چکا ہے، مگر تم اس بات (کے وبال) سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن (کے معبود ہونے) پر اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی دلیل (لفظاً یا معنی) نازل نہیں فرمائی (مطلب یہ کہ ڈرنا چاہئے تم کو پھر اٹا مجھ کو ڈورتے ہو) سو (بعد اس تقریر کے انصاف سے سوچ کر بتلاؤ کہ) ان دو (مذکورہ) جماعتوں میں سے (یعنی مشرکین و منحرفین میں سے) امن کا (یعنی اس کا کہ اس پر غوث واقع نہ ہو) زیادہ جتنی کون ہے (اور غوث بھی وہ جو واقع میں قابل اعتبار ہے، یعنی آخرت کا) اگر تم (کچھ) خبر رکھتے ہو :

معارف و مسائل

ان سے پہلی آیات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین عرب کو خطاب اور بت پرستی چھوڑ کر صرف خدا پرستی کی دعوت کا بیان تھا۔

ان آیات میں اسی دعوت حق کی تائید ایک خاص انداز میں فرمائی گئی ہے، جو طبعی طور پر اہل عرب کے لئے دلنشین ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب کے جدِ اجداد ہیں اور اسی نے سارا عرب ان کی تعظیم پر ہمیشہ سے متفق چلا آیا ہے، ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مناظرہ کا ذکر کیا گیا ہے جو انھوں نے بت پرستی اور نجوم پرستی کے خلاف اپنی قوم کے ساتھ کیا تھا، اور پھر سب کو توحید حق کا سبق دیا تھا۔

پہلی آیت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا کہ تم نے

اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بنالیا ہے، میں تم کو اور تمہاری ساری قوم کو گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

مشہور یہ ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے، اور اکثر مؤرخین نے ان کا نام تاج بتلایا ہے اور یہ کہ آذر ان کا لقب ہو، اور انا م رازی اور علماء سلف میں سے ایک جماعت کا کنایہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تاج اور چچا کا نام آذر ہے، ان کا چچا آذر غردہ کی وزارت کے بعد شرک میں مبتلا ہو گیا تھا، اور چچا کو باپ کناعی محاورات میں عام ہے، اسی محاورہ کے تحت آیت میں آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ فرمایا گیا ہے، زرقانی نے شرح مواہب میں اس کے کئی شواہد بھی نقل کئے ہیں۔

اصلاح عقائد و اعمال کی دعوت لینے | آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہوں یا چچا بہر حال گھروں اپنے خاندان سے شروع کرنی چاہئے | بسطی طور پر ان کے قابل احترام بزرگ تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے دعوت حق لینے گھر سے شروع فرمائی، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا حکم ہوا ہے **وَأَقْبِلْ رُوحَكَ لِلدِّينِ**، یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرائیے، اور آپ نے اس کے ماتحت سب سے پہلے اپنے خاندان ہی کو کوہِ صفا پر چڑھ کر دعوت حق کے لئے بھیج فرمایا۔

تفسیر ترجمہ محیط میں ہے کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر خاندان کے کوئی واجب الاحترام بزرگ دین کے صحیح راستہ پر نہ ہوں تو ان کو صحیح راستہ کی طرف دعوت دینا احترام کے خلاف نہیں بلکہ ہمدردی و خیر خواہی کا تقاضا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوت حق اور اصلاح کا کام اپنے قریبی لوگوں سے شروع کرنا سنتِ انبیاء ہے۔

دو قومی نظریے، مسلمان یک | نیز اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خاندان اور قوم کی قوم اور کافر دوسری قوم ہے | نسبت اپنی طرف کرنے کے بجائے باپ سے یہ کہا کہ تمہاری قوم گمراہی میں ہے، اس میں اس عظیم قربانی کی طرف اشارہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی راہ میں اپنی مشرک برادری سے قطع تعلق کر کے ادا کی اور اپنے عمل سے بتلادیا کہ مسلم قومیت رشتہ اسلام سے قائم ہوتی ہے، ایسی اور وطنی قومیتیں اگر اس سے متصادم ہوں تو وہ سب چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

ہزار خویش کو بیگانہ از خدا باشد

فداے یک تن بیگانہ کا شننا باشد

قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو ذکر کر کے آئندہ آنے والی

امتوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ بھی اُن کے نقش قدم پر چلیں، ارشاد ہے: **وَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي الْأَنْبِيَاءِ وَالَّذِينَ مِنْ مَعَهُ إِذْ قَالُوا الْفَوْزُ مَعَهُ إِنَّا مِنْكُمْ وَهِيَ مَعَهُ** یعنی امتیہ محمدیہ کے لئے اسوہ حسنہ اور قابل اقتدار ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا یہ عمل کہ انہوں نے اپنی بی بی اور وطن برادری سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے غلط معبودوں سے بیزاریں، اور ہمارے تمہارے درمیان بغض و عداوت کی دیوار اس وقت تک حائل ہے جب تک تم ایک اللہ کی عبادت اختیار نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ یہ دو قومی نظریے ہیں جس نے پاکستان بنوایا ہے، اس کا اعلان سب سے پہلے حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہے، امتیہ محمدیہ اور دوسری تمام امتوں نے حسب ہدایت یہی طریقہ اختیار کیا، اور عام طور پر مسلمانوں میں قومیت اسلام معروف ہو گئی، حجۃ الوداع کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قافلہ ملا، آپ نے پوچھا کہ تم کس قوم سے ہو، تو جواب دیا **نَحْنُ قَوْمٌ مُسْلِمُونَ** (دھاری)، اس میں عرب کے سابقہ دستور کے مطابق کسی قبیلہ یا خاندان کا نام لینے کے بجائے **مُسْلِمُونَ** کہہ کر اس حقیقی قومیت کو بتلادیا جو دنیا سے لے کر آخر تک چلنے والی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ اپنے باپ سے خطاب کے وقت تو برادری کی نسبت اُن کی طرف کر کے اپنی بیزاری کا اعلان فرمایا اور جس جگہ قوم سے اپنی بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرنا تھا وہاں اپنی طرف منسوب کر کے خطاب کیا، جیسے اگلی آیت میں **يَقُولُ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ**، یعنی اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ نسب اور وطن کے لحاظ سے ہم میری قوم ہو، لیکن تمہارے شرک نہ افعال نے مجھے تمہاری برادری سے قطع تعلق کرنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برادری اور ان کے باپ دوسرے شرک میں مبتلا تھے کہ بتوں کی بھی پرستش کرتے تھے، اور ستاروں کی بھی، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دونوں مسلوں پر اپنے باپ اور اپنی قوم سے مناظرہ کیا۔

پہلے بت پرستی کا ضلالت و گمراہی ہونا ذکر فرمایا، اگلی آیات میں ستاروں کا قابل عباد نہ ہونا بیان فرمایا، اور اس سے پہلے ایک آیت میں بطور تہنیکہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی ایک خاص شان اور علم و بصیرت میں اعلیٰ مقام کا ذکر اس طرح فرمایا: **وَكَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِيُكُونَتْ أَلْسِنَتُهُ مَعَهُ وَكُلُّ شَيْءٍ مُخْلِصٌ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات کو اس طرح دکھلایا کہ ان کو سب چیزوں کی حقیقت واضح طور پر معلوم ہو جائے، اور ان کا یقین مکمل ہو جائے اسی کا نتیجہ تھا جو

بعد کی آیات میں ایک عجیب طرح کے مناظرہ کی شکل میں اس طرح مذکور ہے: **فَلَمَّا جَاءَتْ عَالِيَةَ الْكَلْبِ قَالَ هَلْ أَرْبِيْ مِنْكُمْ** یعنی ایک رات میں جب تاریکی چھا گئی اور ایک کو کب لپٹی ستارہ پر نظر پڑی تو اپنی قوم کو سنا کر کہا کہ یہ ستارہ میرا رب ہے، مطلب یہ تھا کہ تمہارے خیالات عقائد کی روش سے یہی میرا اور تمہارا رب ہیں پلنے والا ہے، اب تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت دکھلانا چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ غروب ہو گیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم پر حجت قائم کرنے کا واضح موقع ہاتھ آیا، اور فرمایا **لَا أُحِبُّ إِلَّا فَلَانًا**، اے فلاں کا یہ لفظ اقوال سے بدلے جس کے معنی ہیں غروب ہونا۔

مطلب یہ ہے کہ میں غروب ہو جانے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا، اور جس کو خلایا معبود بنایا جائے ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت و عظمت کا مستحق ہونا چاہئے، مولانا دُومنی نے ایک شعر میں اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے: ۵

خلیل آسا در ملک یقین زن
نواے لَا أُحِبُّ إِلَّا فَلَانِ زَن

اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کر وہی طریقہ اختیار فرمایا اور کہا کہ تمہارے عقائد کے مطابق، یہ میرا رب ہے، مگر اس کی حقیقت بھی کچھ دیر کے بعد سامنے آجائے گی، چنانچہ جب چاند غروب ہو گیا تو فرمایا اگر میرا رب ہے ہدایت نہ کرتا رہتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں داخل ہو جاتا، اور چاند ہی کو اپنا رب اور معبود سمجھ بیٹھتا، لیکن اس کے طلوع و غروب کے بدلنے والے حالات نے مجھے متنبہ کر دیا کہ یہ ستارہ بھی قابل عبادت نہیں۔

اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میرا رب کوئی دوسری شے ہے جس کی طرف مجھے ہدایت ہوتی رہتی ہے۔

اس کے بعد ایک روز آفتاب کو بھٹکتے ہوئے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقہ پر فرمایا کہ تمہارے خیال کے مطابق، یہ میرا رب ہے، اور یہ تو سب سے بڑا ہے، مگر اس بڑی کی حقیقت و حیثیت بھی عنقریب تمہارے سامنے آجائے گی، چنانچہ آفتاب بھی اپنے وقت پر غروب ہو گیا، تو قوم پر آخری حجت تمام کرنے کے بعد اب اصل حقیقت کو واضح طور پر بیان فرمادیا کہ **يَقُولُ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ**، یعنی اے میری قوم! میں تمہارے ان مشرکانہ خیالات سے بیزار ہوں، کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوقات کو ہی خدائی کا شریک بنا رکھا ہے۔

اس کے بعد اس حقیقت کو بتلادیا کہ میرا اور تمہارا رب دہانے والا، ان تمام مخلوقات میں سے کوئی نہیں ہو سکتا جو خود اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج ہیں، اور ہر وقت ہر گاہ عروج و نزول اور طلوع و غروب کے تغیرات میں گھری ہوئی ہیں، بلکہ ہمارا سب کا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان میں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اس لئے میں نے اپنا پنج تمہارے سب خود تراشیدہ بتوں اور تغیرات و تاثرات میں گھرے ہوئے ستاروں سے پھیر کر صرف ایک خدا سے وحدہ لا شریک کی طرف کر لیا ہے، اور میں تمہاری طرح مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس واقعہ مناظرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیغمبرانہ حکمت و موعظت سے کام لے کر یکبارگی ان کی نجوم پرستی کو غلط یا گمراہی نہیں فرمایا، بلکہ ایک ایسا انداز قائم کیا، جس سے ہر ذی عقل انسان کا قلب و دماغ خود متاثر ہو کر حقیقت کو پہچان لے، ان بت پرستی کے خلاف بات کرنے میں اول ہی شدت اختیار فرمائی، اور اپنے باپ اور پوری قوم کا گمراہی پر ہونا صاف طور پر بیان کر دیا، وجہ یہ تھی کہ بت پرستی کا نامعقول گمراہی ہونا بالکل واضح اور کھلا ہوا تھا، بخلاف نجوم پرستی کے کہ اس کی گمراہی اتنی واضح اور جلی نہیں تھی۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نجوم پرستی کے خلاف اپنی قوم کے سامنے جو استدلال بیان فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز تغیر پذیر ہو اور اس کے حالات اول بدل ہوتے رہتے ہوں، اور وہ اپنی حرکات میں کسی دوسری طاقت کے تابع ہو وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اس کو اپنا رب قرار دیں، اس استدلال میں ستاروں کے طلوع و غروب اور درمیانی تمام حالات سے استدلال کیا جاسکتا تھا، کہ وہ اپنی حرکات میں خود مختار ہیں کسی کے حکم کے تابع ایک خاص روش پر چل رہے ہیں، لیکن حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان تمام حالات و کیفیات میں سے استدلال کے لئے ان ستاروں کے غروب کو پیش کیا، کیونکہ ان کا غروب عوام کی نظروں میں ایک طرح سے ان کا زوال سمجھا جاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا عام طرز استدلال وہ ہوتا ہے جو عوام کے ذہنوں پر اثر انداز ہو، وہ فلسفیانہ حقائق کے پیچھے زیادہ نہیں پڑتے، بلکہ عام ذہنوں کے مطابق خطاب فرماتے ہیں، اس کو ان ستاروں کے بے بسی اور بے اثری ثابت کر کے لئے ان کے غروب کو پیش کیا، اور نہ ان کے بے بس اور بے قدرت ہونے پر تو طلوع سے بھی استدلال ہو سکتا تھا، اور اس کے بعد غروب سے پہلے تک جتنے تغیرات پیش آتے ہیں ان سے بھی اس پر دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔

مبتغین اسلام کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس طرز مناظرہ سے علما و مبلغین کے لئے چند ہدایات

چند ہدایات حاصل ہوئیں: اول یہ کہ قوموں کی تبلیغ و اصلاح میں

نہ ہر جگہ سختی مناسب ہے نہ ہر جگہ نرمی، بلکہ ہر ایک کا ایک موقع اور ایک حد ہے، چنانچہ بت پرستی کے معاملہ میں حضرت خلیل اللہ نے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں، کیونکہ اس کی گمراہی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے، اور نجوم پرستی کے معاملہ میں ایسے سخت الفاظ استعمال نہیں فرمائے، بلکہ ایک خاص تدبیر سے معاملہ کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا، کیونکہ ستاروں اور ستاروں کا بے بس اور بے اختیار ہونا اتنا واضح اور کھلا ہوا نہیں تھا جتنا خود تراشیدہ بتوں کا، اس سے معلوم ہوا کہ عوام اگر کسی ایسی غلطی میں مبتلا ہوں جس کا غلطی اور گمراہی ہونا عام نظروں میں واضح نہ ہو تو عالم اور مبلغ کو چاہئے کہ تشدد کے بجائے ان کے شبہات کو دور کر کے تدبیر کرے، دوسری ہدایت اس میں یہ ہے کہ اظہار حق و حقیقت کے لئے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو یوں خطا نہیں کیا کہ تم ایسا کرو، بلکہ اپنا حال بتلادیا کہ میں تو ان طلوع و غروب کے پھر میں رہنے والی چیزوں کو معبود قرار نہیں دے سکتا، اس لئے میں نے اپنا رخ ایک ایسی ہستی کی طرف کر لیا ہے جو ان سب چیزوں کو پیدا کرنے والی اور پالنے والی ہے، مقصد تو یہی تھا کہ تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے، مگر حکیمانہ انداز میں صریح خطاب سے پرہیز فرمایا، تاکہ وہ ضد پر نہ آجائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصلح اور مبلغ کا صرف یہ کام نہیں کہ حق بات کو جس طرح چاہے کہہ ڈالے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ ایسے انداز سے کہے جو لوگوں کے لئے مؤثر ہو۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ

جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملایا ایمانوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے جو

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ

دل میں اور دہی میں سیدھی راہ پر اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی تھی ابراہیم کو اس

عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ لَّدُنَّا إِنَّ رَبَّكَ خَكِيمٌ عَلِيمٌ

کی قوم کے مقابلہ میں درجہ بلند کرتے ہیں ہم جس کے پاس تیرا رب بھگت والا ہو جانے والا،

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ

اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب سکون میں ہدایت دی اور نوح کو ہدایت کی ہم نے

قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَ

ان سب سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو اور یوسف کو اور

مُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۶﴾ وَنَزَّلْنَا

موسیٰ اور ہارون کو اور ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو اور ذکر کیا اور

يَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۷﴾ وَاسْمِعِيلَ وَ

یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو سب ہیں نیک بخشنوں میں اور اسمعیل اور

إِسْمَاعِيلَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۸۸﴾ وَمِن

اسماعیل کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سائے جہان والوں پر اور ہدایت

آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ

کی ہم نے بعضوں کو ان کے باپ اور اولاد میں سے اور انکی اولاد میں سے اور انکی ہم نے پسند کیا اور

إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۸۹﴾ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ

سیدھی راہ چٹایا، یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر چلتا ہے جسکو چاہے اپنے

مِّنْ عِبَادِهِ ۖ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحِطَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۰﴾

بندوں میں سے اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو اللہ صانع ہوجاتا جو کچھ انھوں نے کیا تھا،

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اتَّيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ

وہی لوگ تھے جن کو دی ہم نے کتاب اور مشرکت اور نبوت پھر اگر ان

يَكْفُرْ بِمَا هُمْ بِلَآئِهِ فَقَدْ كُنَّا هَٰقًا قَوْمًا لَّيْسُوا بِكَافِرِينَ ﴿۹۱﴾

باتوں کو نہ مایوس نہ ہالے تو ہم نے ان باتوں کے لئے مقرر کر دیئے ہیں ایسے لوگ جو ان سے منکر نہیں

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

دی ہوئی (حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی رجب ہماری

دی ہوئی تھی تو قیامت اعلیٰ درجہ کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی کیا تخصیص ہی ہم (تو) جس کو چاہو

ہیں (معلیٰ و علی، مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں) (چنانچہ سب انبیاء کو یہ رفعت و درجات عطا فرمائی) بیشک

آپ کا رب بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے (کہ ہر ایک کا حال اور استعداد جانتا ہے اور ہر ایک

کے مناسب اس کو کمال عطا فرماتا ہے) اور ہم نے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو کمال ذاتی علم

دعلا دیا، اسی طرح کمال اضافی بھی دیا کہ ان کے اصول اور فروع سے بہتوں کو کمال دیا چنانچہ

ہم نے ان کو (ایک بیٹا) اسحاق دیا اور (ایک پوتا) یعقوب دیا اور اس سے دوسری اولاد کی

لفی نہیں ہوتی اور دونوں صاحبوں میں سے ہر ایک کو (طریق حق کی) ہم نے ہدایت کی، اور

(ابراہیم سے) پہلے زمانہ میں ہم نے نورج (علیہ السلام) کو (جن کا ابراہیم علیہ السلام کے اجداد

میں ہونا مشہور ہے اور اصل کی فضیلت فرع میں بھی مؤخر ہوتی ہے طریق حق کی) ہدایت کی

اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد (نوحی یا عری یا شری) میں سے (انہیں تک جتنے مذکور ہیں

سب کو طریق حق کی ہدایت کی یعنی) داؤد (علیہ السلام) کو اور (ان کے صاحبزادہ) سلیمان

(علیہ السلام) کو اور (ایوب (علیہ السلام) کو اور یوسف (علیہ السلام) کو اور موسیٰ

(علیہ السلام) کو اور ہارون (علیہ السلام) کو (طریق حق کی ہدایت کی) اور رجب یہ ہدایت

پر چلے تو ہم نے ان کو جزائے خیر بھی دی مثل ثواب و زیادہ قرب کے اور جس طرح نیک کاموں

پر ان کو جزاء دی) اسی طرح (ہماری عادت ہے کہ) ہم نیک کام کرنے والوں کو (مناسب)

جزاء دیا کرتے ہیں اور نیز ہم نے طریق حق کی ہدایت کی) ذکر کیا (علیہ السلام) کو اور (ان کے

صاحبزادہ) یحییٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور الیاس (علیہ السلام) کو

(اور یہ) سب (حضرات) پر ایسے شافستہ لوگوں میں تھے اور نیز ہم نے طریق حق کی ہدایت

کی) اسمعیل (علیہ السلام) کو اور اسحاق (علیہ السلام) کو اور یونس (علیہ السلام) کو اور لوط (علیہ السلام)

کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان زمانوں کے) تمام جہان والوں پر (نبوت سے) ہم نے فضیلت

دی اور نیز ان (حضرات مذکورین) کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو،

(طریق حق کی ہم نے ہدایت کی) اور ہم نے ان (سب) کو راہ راست (یعنی دین حق) کی ہدایت

کی (اور وہ دین جس کی ان سب کو ہدایت ہوئی تھی) اللہ کی (جانب سے جو) ہدایت (ہوتی ہی

وہ یہی (دین) ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت (یعنی منزل پر پہنچانے

کی صورت میں) کرتا ہے (چنانچہ اب جو لوگ موجود ہیں ان کو بھی اسی کی ہدایت اس معنی سے

ہوتی کہ ان کو صحیح راستہ دکھا دیا، پھر منزل پر پہنچایا نہ پہنچانے کا کام ہے، مگر ان میں سے

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

ہوتے۔

بعض نے اس کو چھوڑ کر شرک اختیار کر لیا، اور مشرک اس قدر ناپسند چیز ہو کہ غیر انبیاء کو اس شایہ میں (پہنچا) اگر فرضاً یہ حضرات (انبیاء مذکورین) بھی (نہ ہو) باشند شرک کرتے تو جو کچھ یہ (ذہنیک) اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے (آگے مسئلہ نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ) یہ دہشتہ مذکور ہوئے، ایسے تھے کہ ہم نے ان (کے مجموعہ) کو کتاب (آسمانی) اور حکمت (کے علوم) اور نبوت عطا کی تھی (تو نبوت امر عجیب نہیں جو یہ کافر لوگ آپ کے منکر ہو رہے ہیں، کیوں کہ لظاہر موجود ہیں) سو اگر (لفظ) موجود ہونے پر بھی (یہ لوگ) آپ کی نبوت کا انکار کریں تو آپ غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے اس کے (ماننے کے) لئے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیئے ہیں (یعنی ہمارے جبرین و انصار) جو اس کے منکر نہیں ہیں۔

معارف و مسائل

آیات مذکورہ سے پہلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ اپنے باپ آذر اور پوری قوم غرود کے ساتھ مذکور تھا، جس میں ان کی بت پرستی اور نجوم پرستی کے خلاف یقینی شہادیں پیش کرنے کے بعد آیات مذکورہ میں اپنی قوم کو خطاب فرمایا کہ تم مجھے اپنے بتوں سے ڈراتے ہو کہ میں ان کا انکار کروں گا تو یہ مجھے برباد کر دیں گے، حالانکہ نہ بتوں میں اس کی قدرت ہے اور نہ میں نے کوئی کام ایسا کیا ہے جس کے نتیجے میں مجھے کوئی مصیبت پہنچے بلکہ ڈرنا تمہیں چاہیے کہ تم نے جرم بھی ایسا نہ کیا ہے کہ اللہ کی مخلوق بلکہ مخلوق کی مصنوعات کو خدا کا شریک اور برابر کر دیا، اور پھر خدا تعالیٰ علیم و خیر اور قادر و مطلق ہونا بھی کسی عقل والے سے مخفی نہیں تو اب تم خود سوچ کر بتلاؤ کہ امن اور ایمان کا سچ کون بڑا اور ڈرنا کس کو چاہئے؟

ان آیات میں سے پہلی آیت میں یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ عذاب سے مامون مطمئن صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائیں، اور پھر اپنے ایمان میں کسی ظلم کی ملاوث نہ کریں، حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام ہم گئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کوئی ظلم اپنی جان پر بذریعہ گناہ کے نہیں کیا، اور اس آیت میں عذاب سے مامون ہونے کی یہ شرط ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی ظلم نہ کیا ہو، تو پھر ہماری نجات کی کیا سبیل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آیت کا صحیح فہم نہیں سمجھتے، آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ، اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات

وصفت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے وہ عذاب سے مامون اور ہدایت یافتہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بتوں، پتھروں، ستاروں، دریاؤں کو پوجنے والی مخلوق اپنی بیوقوفی سے ان چیزوں کو با اختیار سمجھتی ہے، اور ان کی عبارت چھوڑنے سے اس کو دوری ہے کہ کہیں یہ چیزیں ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا دیں، حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گھر کی بات ان کو بتلائی کہ خدا سے قدس جو تمہارے ہر کام سے باخبر بھی ہے اور تمہارے ہر پھلے پھلے پر پوری طرح قادر بھی ہے اس سے تو تم ڈرتے نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے سے کوئی مصیبت آجائے گی اور جن چیزوں میں نہ علم ہے نہ قدرت ان سے ایسے ڈرتے ہو؟ یہ سوئے بے عقلی کے اور کیا ہے، ڈرنا صرف اللہ تعالیٰ سے چاہئے، اور جس کا اس پر ایمان ہو وہ کسی خطرہ میں نہیں۔

اس آیت میں ذَلَّمْ یَلْبِسُوا آئِمَاتِهِمْ لِيُظْلَمَ قَرِيبًا ہے، اس میں ظلم سے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے موافق شرک مراد ہے، عام گناہ مراد نہیں، لیکن لفظ یُظْلَم کو کلمہ لاکر عربی زبان کے قواعد کے مطابق عام کر دیا جو ہر قسم کے شرک کو شامل ہے، اور لفظ لَبَسُوا لبس سے بنا ہے جس کے ایک معنی ہیں اُدھر بنایا خلط ملط کر دینا، اور مراد آیت کی یہ ہے کہ جو آدمی اپنے ایمان میں کسی قسم کا شرک ملائے یعنی خدا تعالیٰ کو تمام صفات کمال کے ساتھ اپنے کے باوجود غیر اللہ کو بھی ان میں سے بعض صفات کا حامل سمجھے وہ اس امن و ایمان کا خارج ہو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ کھلے طور پر شرک و بت پرستی ہو جائے، بلکہ وہ آدمی بھی مشرک ہے جو اگرچہ کسی بت کی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور کلمہ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتہ یا رسول یا کسی دلی اللہ کو اللہ کی بعض صفات خاصہ کا شریک ٹھہرائے اس میں ان عوام کے لئے سخت تنبیہ ہو جو اولیاء اللہ اور ان کے مزار کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور عملاً ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا عملاً ان کے اعتقادات ان کے حوالے کر دیئے گئے ہیں، نحو ذلالتہ۔ دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنی قوم کے مناظرہ میں کھلی فتح پائی، اور ان کو جواب کر دیا، یہ ہمارا ہی انعام تھا کہ ان کو صحیح نظریہ عطا کیا پھر اس کے واضح دلائل بتلا دیئے، کسی کو اپنی عقل و فہم یا تقریر اور ذہنی خطابت پر ناز نہ ہونا چاہئے بغیر خدا تعالیٰ کی امداد و اعانت کے کسی کا پرچار نہیں ہوتا، مری عقل انسانی اور ایک حقائق کیلئے کافی نہیں، جس کا مشاہدہ ہر دور میں ہوتا رہتا ہے کہ بڑے بڑے ماہر فلاسفر مگر اسی کے رستہ پر پڑ جاتے ہیں اور بہت سے آں پڑھ جاہل صحیح عقیدہ اور نظریہ کے پابند ہو جاتے ہیں، مولانا رومی نے خوب فرمایا ہے۔

بے عنایت حق و دغا صانع حق
گر ننگ باقدسیہ، ستش ورق

آخر آیت میں فرمایا تَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ لَّدُنْہٗ یعنی ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو پورے عالم میں اور قیامت تک آنے والی نسلوں میں خاص عزت و مقام عطا ہوا کہ یہودی، نصرانی، مسلمان، بدھ مت وغیرہ سب کے سب ان کے تقدس کے قائل اور ان کی تعظیم کرتے چلے آئے ہیں، یہ بھی ہمارا ہی فضل و انعام ہے کہ کسی کے کسب و کتساب کا اس میں دخل نہیں۔

اس کے بعد کی آیتوں میں سترہ انبیاء علیہم السلام کی فہرست شمار کی گئی ہے جن میں بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آباء و اجداد ہیں، اور اکثر ان کی اولاد ہیں، اور بعض ان کے بھائی بھتیجے ہیں، ان آیتوں میں ایک طرف تو ان حضرات کا ہدایت پر ہونا، صالحین ہونا، ہر لحاظ مستقیم پر ہونا بیان فرمایا گیا ہے، اور یہ بتلایا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب اور قبول فرمایا ہے، اور دوسری طرف یہ بتلایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں اپنے باپ اور برادری اور وطن کو چھوڑ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کے درجات عالیہ اور دائمی اور بے مثال راحتوں سے پہلے دنیا میں بھی ان کو اپنی برادری سے بہتر برادری اور وطن سے بہتر وطن عطا فرمایا، اور یہ شرف عظیم عطا فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد قیامت تک جتنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے گئے وہ سب ان کی اولاد میں ہیں، ایک شاخ جو حضرت اسحاق علیہ السلام سے چلی اس میں تمام انبیاء بنی اسرائیل آئے اور دوسری شاخ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چلی اس میں سید الاولاد ہیں والاخرین نبی الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، اور یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عزت و ذلت اور نجات و ہلاک کا اصل مدار انسان کے اپنے ذاتی اعمال پر ہے، لیکن آباء و اجداد میں کسی نبی، ولی کا ہونا یا اولاد میں علماء، صلحاء کا ہونا بھی ایک بڑی نعمت ہے، اور اس سے بھی انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ان سترہ انبیاء علیہم السلام میں جن کی فہرست آیات مذکورہ میں دی گئی ہے ایک حضرت نوح علیہ السلام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جدِ امجد ہیں، باقی سب کون کی ذریت فرمایا ہے، وَ مِّنْ ذُرِّیَّتِہٖۤ اٰدَمُ وَ شٰٓئِطٰنُ الْاٰیۃ، اس میں ایک اشکال تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ وہ یحییٰ پاپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دختر کی اولاد میں سے ہیں، یعنی پوتے نہیں نواسے ہیں، تو ان کو ذریت کہنا کیسے صحیح

ہوگا؟ اس کا جواب عامہ علماء و فقہاء نے یہ دیا ہے کہ لفظ ذریت پر تو ان اور نواسوں و دلوں کو شامل ہے اور اسی سے استدلال کیا کہ حضرت حسنین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں داخل ہیں۔

دوسرا اشکال حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے کہ وہ اولاد میں نہیں بلکہ بھتیجے ہیں لیکن اس کا جواب بھی واضح ہے کہ عرف میں چچا کو باپ اور بھتیجے کو بیٹا کہنا بہت ہی متعارف ہے آیت مذکورہ میں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر انعامات آئیم بیان فرما کر ایک طرف تو یہ قانون قدرت بتلادیا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں کو قربان کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتے ہیں، دوسری طرف مشرکین مکہ کو یہ حالات سن کر اس طرف ہدایت کرنا مقصود ہے کہ تم لوگ جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانتے تو دیکھو جن کو تم بھی سب بڑا مانتے ہو یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کا پورا خاندان وہ سب ہی کہتے چلے آئے ہیں کہ قلیل عبادت صرف ایک ذات حق تعالیٰ ہے، اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کرنا یا اس کی مخصوص صفات کا ساجھی بتلانا کفر و مکر ہی ہے، تم لوگ خود اپنے مسلمات کی زد سے بھی ملزم ہو۔

آٹھویں آیت میں یہی مضمون ارشاد فرمایا گیا اور اس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے ارشاد فرمایا کہ: فَإِن یَّکْفُرْ بِہٖمَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِہَا قَوْمًا لَّا یَشْعُرُونَ، یعنی اگر آپ کے کچھ مخاطب آپ کی بات نہیں مانتے اور تمام انبیاء سابقین کی ہدایا پیش کر دینے کے باوجود وہ انکار ہی پر متمسک ہوئے ہیں، تو آپ غم نہ کریں، کیونکہ ہم نے آپ کی کج دہدایت کو مانتے اور اپنانے کے لئے ایک بڑی قوم کو مقدر کر رکھا ہے، وہ کفر و انکار کے پاس نہ جاتیں گے، اس میں چند مبارک کے موجود ہیں جہاں حسین و النصار بھی داخل ہیں، اور قیامت تک کئے والے مسلمان بھی، اور یہ آیت ان سب لوگوں کے لئے مایہ فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقامِ مدح میں ذکر فرمایا ہے، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا وَہُمْ وَاَجْمَعْنَا قَافِیَ ذَمِّ رَعِیَّتِہِمْ

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ فِیْہِمْ اَقْدَمَ قُلٌّ لَا اَسْئَلُکُمْ

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سونپا ان کے طریقہ پر تو کہہ دو کہ میں نہیں مانگتا تم سے

عَلِیْہِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرِیْ لِلْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰ وَمَا قَدْ رَوٰی اللّٰہُ

اس پر کچھ مزدوری، یہ تو محض نصیحت ہے کہ جہاں کے لوگوں کو اور نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو

حَقَّ قَدْرِہٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ قُلْ

پورا پہچانا جب کہنے لگے کہ نہیں آتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز پڑھ تو

مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى
 کس نے اناری دے کتاب جو موسیٰ لے کر آیا تھا روشن مٹی اور ہدایت مٹی
 لِلنَّاسِ تَجْعَلُونَهُ قَرِاطِيسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُحْفَوْنَ كَثِيرًا
 لوگوں کے واسطے جسکو تم نے ورق ورق کر کے لوگوں کو دکھلاؤ اور بہت سی باتوں کو تم نے چھپا رکھا
 وَعَلَيْكُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ قُلِ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
 اور تم کو بیکھلا دیں جن کو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادا تو کہہ دیجئے کہ اللہ نے اناری پھر
 ذَرَهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩١﴾ وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ
 چھوڑنے ان کو اپنی خرافات میں کھیلنے رہیں اور یہ قرآن کتاب ہے جو کہ تم نے اناری برکت والی
 مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا
 تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلی ہیں اور تاکہ تو ڈراوے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں
 وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ
 کو اور جن کو یقین ہے آخرت کا وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ہیں اپنی نماز
 يُحَافِظُونَ ﴿٩٢﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ
 سے خبردار ، اور اس سے زیادہ ظالم کون جو باندھے اللہ پر بہتان
 قَالَ أَوْحِي إِلَيَّ وَلَمْ يُوحِ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ
 کہ مجھ پر وحی آتری اور اس پر وحی نہیں آتری کچھ بھی اور جو کہے کہ میں بھی آتا ہوں مثل
 مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَ
 اس کے جو اللہ نے آتا اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں اور
 الْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوْا أَيْدِيَهُمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ
 فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جاہیں آج تم کو
 تُجْرَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ
 بدلے میں ملے عذاب کا عذاب اس سبب سے کہ تم کہتے تھے اللہ پر جھوٹی
 الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا
 باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور البتہ تم پہلے پاس آئے

فَرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْكُمُ مَا خَوَّلْنَكُمْ وَرَأَىٰ
 ایک ایک ہو کر جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے تم کو دیا
 ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كَمَا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَهْمُ
 تھا اپنی پیٹھ کے پیچھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارش کرنے والوں کو جن کو تم بتلایا کرتے تھے کہ
 فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ
 ان کا تم میں ساجھاؤ، البتہ منقطع ہو گیا تمہارا علاقہ اور جاتے ہو جو دعویٰ کہ تم

تَرْعَمُونَ ﴿٩٤﴾

کیا کرتے تھے

خلاصہ تفسیر

اور ہم جو غم نہ کرنے کو اور صبر کرنے کو کہتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایسا ہی
 کیا ہے چنانچہ یہ حضرات (مذکورین) ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے (اس صبر کی) ہدایت کی تھی جو
 (اس باب میں) آپ بھی اپنی کے طریق (صبر) پر چلے (چونکہ آپ کو بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے)
 کیونکہ ان سے آپ کو نفع نہ کوئی ضرر ہو جس کی وجہ سے غم اور بے صبری ہو اور اس مضمون کے اظہار
 کے واسطے ان سے تبلیغ کے وقت آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تم سے (اس تبلیغ قرآن) پر کچھ
 معاوضہ نہیں چاہتا (جس کے ملنے سے نفع اور نہ ملنے سے ضرر ہو بے غرض نصیحت کرتا ہوں)
 یہ (قرآن) تو صرف تمام جانوں کے واسطے ایک نصیحت ہے (جس کو ماننے سے تمہارا ہی نفع اور
 نہ ماننے سے تمہارا ہی نقصان ہے) اور ان (منکر) لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچانا وہ جب
 تھی، دینی قدر نہ پہچانی جبکہ (مذہب کر) یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس بشر پر کوئی چیز (یعنی
 کوئی کتاب) ابھی نازل نہیں کی (یہ کہنا نا قدر شناسی اس لئے ہے کہ اس سے مسئلہ نبوت کا
 انکار لازم آتا ہے) اور نبوت کا منکر اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے، اور تصدیق حق واجب ہو،
 پس اس میں قدر شناسی واجب میں اخلال ہوا، یہ تو تحقیق جواب تھا، اور الزامی مسکت جواب دینے
 کے لئے، آپ (ان سے) یہ کہے کہ (یہ تو بتلاؤ کہ) وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ (علیہ السلام)
 لائے تھے (یعنی توریت جس کو تم بھی مانتے ہو) جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ (غور مثل) نور (کے واضح)
 ہے اور (جن کی ہدایت کے لئے وہ آئی تھی ان) لوگوں کے لئے وہ (بوجہ بیان شراعت کے ذریعہ)
 ہدایت ہے جس کو تم نے (اپنی اغراض نفسانیہ کے لئے) متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن

دیں جتنے اور ان کو چاہا ان کو نظر ہر کر دیتے ہو (جس میں تمہارے مطلب کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی) اور بہت سی باتوں کو جو اپنے مطلب کے خلاف ہیں، یعنی جن اور ان میں وہ کبھی ہوئی ہیں ان کو چھپاتے ہو اور اس کتاب کی بدولت، تم کو بہت سی ایسی باتیں عظیم کی گئیں جن کو قبل کتاب ملنے کے نہ تم دیکھتے تھے اور اسرائیل جو کہ وقت نزول آیت موجود تھی (جانتے تھے اور نہ تمہارے قریب سلسلہ کے بڑے جانتے تھے، مطلب یہ کہ جس توریث کی یہ حالت ہو کہ اس کو اذلا تو تم مانتے ہو، دوسرے بوجہ نور و ہدیٰ ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے، دوسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے، گو وہ استعمال شرمناک ہو، لیکن اس کی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں ہوتی چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور نعمت کی چیز ہے، اسی کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو، اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار نہیں، یہ بتلاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا ہے، اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے، اس لئے خود ہی جواب دینے کے لئے حضور کو حکم ہوا کہ آپ (وہی) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب (مذکورہ) نازل فرمایا ہے (اور اس سے ان کا دعویٰ عام باطل ہو گیا) پھر یہ جواب سن کر، ان کو ان کے مشغلہ میں بہودگی کے ساتھ لگا پڑنے دیجئے (یعنی آپ کا منصبی کام ختم ہو گیا، نہ مائیں تو آپ فکر میں نہ پڑیں ہم آپ ہی سمجھ لیں گے) اور (جس طرح توریث ہماری نازل کی ہوئی کتاب تھی اسی طرح) یہ (قرآن) بھی (جس کی تکذیب یہود کے قول مذکور سے اصل مقصود ہے) ایسی ہی کتاب ہو جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا اور جو بڑی (خیر و برکت والی ہے) (چنانچہ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا موجب فلاح و نفع و اجر ہے اور) اپنے سے پہلے (نازل شدہ) کتابوں (کے منزل من اللہ ہونے) کی تصدیق کرنیوالی ہو رسولہم نے اس قرآن کو نفع خلائق اور تصدیق کتب الہیہ کے لئے نازل فرمایا، اور (اس لئے نازل فرمایا کہ) تاکہ آپ (اس کے ذریعہ سے) کہہ والوں کو اور اس پاس والوں کو (خصوصیت کے ساتھ عذاب الہی سے جو کہ مخالفت پر ہوگا) ڈرا دیں (اور یوں انداز عام بھی کریں یہی کونین یقیناً یقیناً قن فیما) اور آپ کے انداز کے بعد جو سب ایمان نہ لاویں لیکن جو لوگ آخرت کا رپورا یقین رکھتے ہیں (جس سے عذاب کا اندیشہ ہو جائے اور اس سے بچنے کی فکر نہ چھوڑے) اور ہمیشہ طلب طریق نجات اور تحقیق حق کی دھن لگ جائے خواہ کسی دلیل نقلی سے یا تجویز عقلی سے ایسے لوگ (تو) اس (قرآن) پر ایمان لے (ہیں) آتے ہیں اور (ایمان و اعتقاد کے ساتھ اس کے اعمال کے بھی پابند ہوتے ہیں، کیونکہ عذاب سے نجات کا عمل مجبور پر موعود ہے، چنانچہ وہ اپنی نماز پر اطمینان رکھتے ہیں) اور جب اس عبادت پر جو کہ ہر روز پانچ بار مکرر اور شاق ہے مداومت کرتے ہیں تو دوسری عبادات کے جو کہ گاہ گاہ اور ہل ہیں بدرجہ اولیٰ پابند ہوں گے، حاصل

یہ کہ کسی کے ماننے نہ ماننے کی فکر نہ کیجئے جو اپنا بھلا چاہیں گے مان لیں گے، جو نہ چاہیں گے نہ لیں گے آپ اپنا کام کیجئے، اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے رادار مطلق نبوت یا خاص نبوت کا منکر ہو، جیسا اور بعض کا قول آیا ہے، مَا أَتَزَلُّ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ اور بعض کا قول تھا لَا تَجْعَلُ اللَّهُ بَشَرًا مِثْلًا یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آتی (جیسے مسلمان وغیرہ) اور (اسی طرح اس سے بھی زیادہ ظالم کون ہوگا) جو شخص کہ یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے (حسب دعویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نازل کیا ہے، اسی طرح کما میں بھی لا ذکر دکھا، تاہوں (جیسا نصر باعد اللہ مکرر کرتا تھا، غرض یہ سب لوگ بڑے ظالم ہیں) اور (ظالموں کا حال یہ ہے کہ) اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا ہونا ک منظر دکھائی دے) جبکہ یہ ظالم لوگ (جن کا ذکر ہوا) موت کی (روحانی) سختیوں میں (دگر قرار) ہوں گے اور (موت کے) فرشتے (جو ملک الموت کے احوال میں ان کی روح نکالنے کے واسطے ان کی طرف) اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور شدت کے ظاہر کرنے کو یوں کہتے جاتے ہوں گے کہ) ہاں (جلدی) اپنی جانیں نکالو دکھاں بچاتے پھرتے تھے، دیکھو) آج (مرنے کے ساتھ ہی) تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی (یعنی جس میں تکلیف جسمانی بھی ہو اور ذلت روحانی بھی ہو) اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی (دعویٰ) باتیں جھپتے تھے (جیسے مَا أَتَزَلُّ اللَّهُ اور مَا أَتَزَلُّ لَیٰ اور مَا أَتَزَلُّ وغیرہ)۔ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے قبول کرنے سے (جو کہ ذریعہ ہدایت تھی) منکر کرتے تھے، (یہ کیفیت تو موت کے وقت ہوگی) اور (جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرما دیں گے) تم ہمارے پاس (دار و مددگار سے) تنہا تنہا (ہو کر) آگئے (اور اس حالت سے آئے) جس طرح ہم نے اول بار (دنیا میں) تم کو پیدا کیا تھا کہ نہ بدن پر کپڑا نہ پاؤں میں جوتا، اور جو کچھ ہم نے تم کو (دنیا میں) ساز و سامان دیا تھا، (جس پر تم مجھو لے بیٹھے تھے) اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے (ساتھ کچھ نہ لا سکے، مطلب یہ کہ مال و دولت کے بھروسہ پر نہ رہنا یہ سب یہاں ہی رہ جاوے گا) اور (تم میں جو بعض کو اپنے باطل معبودوں کی شفاعت کا بھروسہ تھا سو) ہم تو تمہارے ہمراہ (اس وقت) تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے (جس سے ثابت ہوا کہ واقعہ میں بھی تمہارے ساتھ نہیں ہیں) جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں (کہ تمہارا جو معاملہ عبادت ہمارے ساتھ ہوتا تھا وہی ان کے ساتھ ہوتا تھا) واقعی تمہارے (اور ان کے) آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا کہ آج تم ان سے بیزار اور دہم سے بیزار، شفاعت کیا کریں گے) اور وہ تمہارا دعویٰ (جو مذکور ہوا) سب تم سے گیا گذر جاوے (کچھ کام کا ذوق تو اب پوری پوری مقبیت بڑھے گی)۔

معارف و مسائل

پہلی آیات میں حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کے عظیم نشان انعامات اور ان کے بلند درجات کا ذکر تھا، جن میں پوری نسل آدم علیہ السلام کو عموماً اور اہل مکہ و عرب کو خصوصاً عملی صورت میں یہ دکھانا مقصود تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کو اپنا مقصد زندگی ٹھہرائے اور اس کے لئے اپنی محبوب چیزوں کی قربانی پیش کرے جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی کہ ماں باپ اور قوم و وطن سب کو اللہ کے لئے چھوڑ دیا، پھر بنابر بیت اللہ کی عظیم خدمت کے لئے ملک شام کے سبزہ زاروں کو چھوڑ کر مکہ کا ریگستان اختیار کیا، بڑی اور بچہ کو جنگل میں چھوڑ کر چلے جانے کا حکم ہوا تو فری تمہیل کی، اکلوتے محبوب بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تو اپنے حیات اختیار تک اس کی مکمل تمہیل کر دکھائی، ایسے اطاعت گزاروں کا اصل بدلہ تو قیامت کے بعد جنت ہی میں ملے گا، لیکن دنیا میں بھی جن تعالیٰ ان کو وہ مرتبہ اور دولت عطا فرماتے ہیں جس کے سامنے ساری دنیا کی دو لیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

حضرت خلیل اللہ نے اپنی قوم و برادری کو اللہ کے لئے چھوڑا تو اس کے بدلہ میں ان کو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ملی جو بیشتر ان کی اولاد ہی میں ہیں، عراقی اور شامی وطن کو چھوڑا، تو اللہ کا گھر اور بلدا میں اور اہم القسریٰ یعنی مکہ نصیب ہوا، ان کی قوم نے ان کو ذلیل کرنا چاہا تو اس کے بدلہ میں ان کو ساری دنیا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کا انعام اور پیشوا بنا دیا کہ دنیا کی مختلف اقوام و مذاہب آپس کے بڑے بڑے اختلاف کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم پر متفق چلے آئے ہیں۔

اس سلسلہ میں سترہ انبیاء علیہم السلام کی فہرست شمار کی گئی تھی جن میں سے بیشتر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد و ذریت میں داخل ہیں، اور یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ سب وہ بزرگترین ہستی ہیں جن کو حق تعالیٰ نے سارے عالم کے انسانوں میں سے اپنے دنیا کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا اور ان کو سیدھا راستہ دکھلایا ہے۔

مذکورہ ان آیات میں پہلی آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر اہل مکہ کو بتلایا گیا ہے کہ کسی قوم کے آباء و اجداد محض باپ دادا ہونے کی حیثیت سے قابل تقلید نہیں ہو سکتے کہ ان کے ہر قول و فعل کو قابل اتباع سمجھا جائے، جیسا کہ عموماً عرب اور اہل مکہ کا خیال تھا، بلکہ تقلید و اتباع کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم جس کی پیروی کرتے ہیں وہ خود بھی ہدایت کے صحیح راستہ پر ہے یا نہیں، اس لئے

انبیاء علیہم السلام کی ایک مختصر فہرست شمار کر کے فرمایا گیا کہ اُولَئِكَ الَّذِیْنَ یُتَذَكَّرُ بِہُمْ، یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، پھر فرمایا قَدْ یُتَذَكَّرُ بِہُمْ اَقْبَرُ، یعنی آپ بھی ان کی ہدایت اور طریق کار کو اختیار فرمادیں۔

اس میں ایک ہدایت تو اہل عرب اور تمام امت کو یہ ہے کہ تقلید آسانی کی دہم پرستی کو چھوڑیں، اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ بزرگوں کا اتباع کریں۔ دوسری ہدایت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ بھی انہی انبیاء سابقین کا طریق اختیار فرمائیں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فروعی اور جزوی اختلاف پہلے بھی ہوتے رہے، اور ملت اسلام میں بھی ان سے مختلف بہت سے احکام نازل ہوئے ہیں تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء سابقین کے طریق پر چلنے اور عمل کرنے کا کیا مطلب ہوا؟ دوسری آیات اور روایات حدیث کے پیش نظر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تمام فروعی اور جزوی احکام میں انبیاء سابقین کا طریق کار اختیار کرنے کا حکم نہیں، بلکہ اصول و ذہن، توحید و رسالت آخرت میں ان کا طریق اختیار کرنا مقصود ہے جو کسی پیغمبر کی شریعت میں آدھل بدل نہیں ہوگا، آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی ایک عقیدہ اور طریقہ رہا ہے، باقی فروعی احکام جن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، ان میں بھی طریقہ کار مشترک رہا اور جن میں حالات کے بدلنے کی وجہ سے بعضاوقات وقت و حکمت کوئی دوسرا حکم دیا گیا اس کی تمہیل کی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب تک آپ کو بذریعہ وحی کوئی خاص ہدایت نہ آتی تھی تو آپ فروعی معاملات میں بھی پہلے انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار پر چلتے تھے (منظری وغیرہ)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ ایک ایسے اعلان کا حکم دیا گیا جن کا اعلان تمام انبیاء سابقین بھی کرتے چلے آئے ہیں، وہ یہ کہ لَیْسَ لَکُمْ اَنْ تَدْعُوْا اٰجُرًا اِنْ هُوَ اِلَّا دَعْوٰی لِّلْعٰلَمِیْنَ، یعنی میں تمہاری زندگی سنوارنے کے لئے جو ہدایات تمہیں دے رہا ہوں اس پر تم سے کوئی فیس اور معاوضہ نہیں لیتا، تم اس کو مان لو تو میرا کوئی نفع نہیں اور نہ مانو تو کوئی نقصان نہیں، یہ تو تمام دنیا جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت و خیر خواہی کا پیغام ہے، تعلیم و تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہ لینا تمام انبیاء علیہم السلام ہمیشہ مشترک چلا آیا، اور تبلیغ کے موثر ہونے میں اس کا بڑا دخل ہے۔

دوسری آیت اُن لوگوں کے جواب میں آئی ہے جنہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی بشر پر کوئی کتاب نازل ہی نہیں فرمائی، یہ کتابوں اور رسولوں کا قضیہ جس سے غلط ہے۔ اس کے کہنے والے اگر مکہ کے بیت پرست ہیں جیسا کہ ابن کثیر نے فرمایا تو معاملہ ظاہر ہو کر وہ کسی کتاب اور نبی کے قائل نہ تھے، اور اگر یہودی ہیں جیسا کہ دوسرے مفسرین نے اختیار فرمایا اور آیت کا سلسلہ سلام نظر اس کی تائید میں ہو تو پھر اُن کا ایسا کہنا محض غصہ اور جھجھلاہٹ کا نتیجہ تھا جو خود ان کے بھی مذہب کے خلاف تھا، اہم بخیر کی ایک روایت میں ہے کہ اسی لئے یہودی بھی اس شخص سے ناراض ہو گئے جس نے یہ بات کہی تھی، اور اسی غلطی کی وجہ سے اس کو مذہبی پیشوائی کے چندہ سے ہٹا دیا تھا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ بیہودہ کلمہ کہا انہوں نے حق تعالیٰ کو پہچاننے کی طرح نہیں پہچانا، درنہ یہ گستاخانہ کلمہ ان کے منہ سے نہ نکلا، آپ اُن لوگوں سے جو مطلق آسمانی کتابوں کا انکار کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ اگر بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نہیں بھیجی تو یہ بتلاؤ کہ یہ تورات جس کو تم بھی مانتے ہو اور اسی کی وجہ سے قوم کے چودھری بنے بیٹھے ہو یہ کس نے نازل کی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی بتلاؤ کہ تم وہ پڑھے چلنے والے ہو کہ جن کتاب تورات کو تم آسمانی کتاب کہتے اور مانتے ہو اس کے ساتھ بھی تمہارا یہ معاملہ ہے کہ تم نے اس کو بندھی ہوئی کتاب کے بجائے متفرق ادراک میں لکھ چھوڑا ہے، تاکہ جب تمہارا ہی چاہے کسی ورق کو درمیان سے نکال دو، اور اس کے مضمومات سے انکار کر دو، جیسے تورات کی وہ آیات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور صفات کے متعلق تھیں ان کو تم نے نکال دیا ہے، آیت کے آخری جملہ **لَتَجْعَلُنَّ فِی قُلُوبِنَا ذِکْرًا طِبْسًا** کا یہی مطلب ہے، قراطیس کی جمع جو جس کے معنی ہیں ورق ہوا۔ اس کے بعد انہی لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا **وَعَلَّیْکُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ وَکَلَّا** اُن کا کلمہ، یعنی تورات کے ذریعہ تمہیں تورات و انجیل سے زیادہ ہی وہ علم دیا گیا ہے جس کی نہ تمہیں اس سے پہلے خبر تھی، نہ تمہارے باپ دادا کو۔

آخر آیت میں فرمایا، **فَلِیْ اِنَّکُمْ لَمَنْ تَعْلَمُوْنَ فِیْ غَوٰیضِہِمْ یَلْبَسُوْنَ**، یعنی اس سوال کا جواب کہ جب اللہ نے کوئی کتاب ہی نہیں بھیجی تو تورات کس نے نازل کی وہ تو کیا دیں گے، آپ ہی فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی نازل فرمائی ہے، اور جب اُن پر حجت تمام ہو گئی تو آپ کا کام ختم ہو گیا، اب وہ جو لوگوں میں کھوتے ہیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف نازل ہونے والی کتابوں کے بارے میں اُن پر حجت تمام

کرنے کے بعد تیسری آیت میں ارشاد فرمایا: **وَلَوْ اِیَّکُمْ اَنْزَلْنٰهُ مُبْرَکًا مَّحْشُوْرًا لَّیَقْنَنَّ بَیْنَہِمْ وَیَسْتَنْتٰہُمْ اَمَّ الْقُرْاٰنِیِّیْنَ وَ مَنۢ عَلَّمَہٗا**، یعنی جس طرح تورات کا خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا انہیں بھی تسلیم ہے اس طرح یہ قرآن بھی اُن نے نازل کیا ہے اور اس کے حق و صدق ہونے کے واسطے ان کے لئے یہ شہادت کافی ہے کہ تورات ان سب چیزوں کی تصدیق کرتا ہے جو تورات و انجیل میں نازل ہوئی ہیں، اور تورات و انجیل کے بعد اس کے نازل کرنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ یہ دونوں کتابیں تو مبنی اسرائیل کے لئے بھی گئی تھیں ان کی دوسری شاخ بنی اسرائیل جو عرب کہلاتے ہیں اور ام القریٰ یعنی مکہ اور اس کے ارد گرد رہتے ہیں، ان کی ہدایت کے لئے کوئی خاص پیغمبر اور کتاب اب تک نہ آئی تھی، اب یہ قرآن ان کے لئے خصوصاً اور پورے عالم کے لئے عموماً نازل کیا گیا ہے، مکہ معظمہ کو قرآن کریم نے ام القریٰ فرمایا، یعنی تمام شہروں اور قبیلوں کی جڑ اور بنیاد، اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخی روایات کے مطابق ابتداء آفریش میں پیدا کش زمین کی ابتدا یہیں سے ہوئی ہے، نیز یہ کہ سائے عالم کا قبلہ عبادت میں مرکز توجہ ہی ہو (منظری) **اَمَّ الْقُرْاٰنِیِّیْنَ** کے ساتھ **وَمَنۢ عَلَّمَہٗا** فرمایا، یعنی مکہ کے تمام اطراف جس میں پورا عالم مشرق و مغرب اور جنوب و شمال داخل ہے۔

قریب کے آخر میں ارشاد فرمایا: **وَالَّذِیۡنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰیٰتِ خُصٰیۃٍ یُّؤْمِنُوْنَ بِہِ وَہُمْ عَلٰی صَدَاقِہِمْ یَحْذَرُوْنَہٗ**، یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اپنی مازوں کی پابندی کرتے ہیں، اس میں یہود اور مشرکین کی ایک مشترک بیماری پر تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ بے فکری کہ جس کو چاہا مانا جس کو چاہا رد کر دیا، اور اس کے خلاف محاذ بنایا، یہ اس مرض کا اثر ہے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، جس شخص کو آخرت اور یوم الحساب پر ایمان ہو گا اس کو خوب خدا ضرور اس طرف متوجہ کرے گا، کہ دلائل میں غور کرے، اور حق بات کو قبول کرنے میں آسانی رسوم جاہلیت کی پروا نہ کرے۔

اور اگر خود کیا جائے تو آخرت سے بے فکری ہی اُمّ الامراض ہے، کفر و شرک بھی اسی کا نتیجہ ہوتا ہے اور سائے گناہ اور محاسن بھی، آخرت پر یقین رکھنے والے سے اگر کبھی کوئی غلط اور گناہ سرزد بھی ہو جائے تو اس کا دل تڑپ اٹھتا ہے، اور بالآخر توبہ کر کے آگے کے لئے گناہ سے بچے کا عزم کرتا ہے، اور درحقیقت خوف خدا اور فکر آخرت ہی وہ چیز ہو جو انسان کو انسان بناتی اور جہانم سے باز رکھتی ہے، اس لئے قرآن کریم کی کوئی سورت بلکہ کوئی رکوع بھی شاید اس غالی نہیں کہ جس میں فکر آخرت کی طرف متوجہ نہ کیا گیا ہو، **اَللّٰہُمَّ اجْعَلْہٗ جَمَلًا مِّنۡ جَمَلِہٖمَا تَاٰجِدَ اِہْمَ الْاٰخِرَہٗ**

إِنَّ اللَّهَ لَمَلِكٌ الْحَبِيبُ الَّذِي يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ ﴿۹۵﴾ فَلْيَنزِيلُ الْإِصْبَاحَ

اللہ ہے کہ چھوڑ نکالتا مردہ اور گھٹلی، نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور نکالتے والا ہے
المیت سے المیت ذلکم اللہ فانی تو فکون ﴿۹۵﴾ فلینزل الإصباح
زندہ سے مردہ یہ ہے اللہ پھر تم کو صبح کے نکالتے ہو، چھوڑ نکالتے والا صبح کی روشنی کا

وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا ذَلِكُمْ تَقْدِيرُ

اور اس نے رات بنائی آرام کو اور سورج اور چاند حساب کے لئے یہ اندازہ رکھا ہوا ہے
العزیز العليم ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا

زور آور خبردار کا، اور اسی نے بنا دیئے جھلکے واسطے ستارے کہ ان کے وسیلے سے راستے
يَهْتَدُوا فَكُلُمُ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۹۷﴾

معلوم کروانہ بیروں میں جھلک اور دریا کے البتہ ہم نے کھول کر بیان کر دیئے ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں،
وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ

اور وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا ایک شخص سے پھر ایک تو تمہارا گھمسا کا بالہ اور ایک امانت کو چھپائی
قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿۹۸﴾

البتہ ہم نے کھول کر سنائی ہے اس قوم کو جو سمجھتے ہیں

خلاصہ تفسیر

بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گھٹلیوں کو یعنی زمین میں دبانی کے
بعد جو دانہ یا گھٹلی پھوٹتی ہے یہ اللہ ہی کا کام ہے (وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے
نکال لاتا ہے (جیسے لطف سے آدمی پیدا ہوتا ہے) اور وہ بے جان (چیز) کو جاندار (چیز)
سے نکالتے والا ہے (جیسے آدمی کے بدن سے لطف ظاہر ہوتا ہے) اللہ یہ ہے (جس کی ایسی
قدرت ہے) سو تم (اس کی عبادت چھوڑ کر) کہاں (غیر اللہ کی عبادت کی طرف) اٹھ چلے
جائے ہو وہ (اللہ تعالیٰ) صبح (صادق) کا (رات میں سے) نکالتے والا ہے (یعنی رات ختم
ہو جاتی ہے اور صبح صادق ظاہر ہوتی ہے) اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنائی ہے (کہ
سب تھکے تھکے لوگ آرام پاتے ہیں) اور سورج اور چاند (کی رفتار) کو حساب سے رکھا ہو
(یعنی ان کی رفتار منضبط ہے جس سے اوقات کے انضباط میں سہولت ہو) یہ کہ حساب سے انکی

رفتار ہو) ٹھہرائی ہوئی بات کو ایسی ذات کی جو کہ قادر (مطلق) ہے (کہ اس طرح حرکت پیدا
کرنے پر اس کو قدرت ہے اور) بڑے علم والا ہے (کہ اس رفتار کی مصاحبتیں اور حکمتیں جانتا تھا
اس لئے اس خاص طرح پر ٹھہرایا) اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لئے
ستاروں کو پیدا کیا (اور وہ فائدہ یہ ہے) تاکہ تم ان کے ذریعہ سے (رات کے) اندھیروں میں
خسک میں بھی اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو، بیشک ہم نے (یہ) دلائل (توحید و انعام کے)
خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں (اور گو پہنچیں گے سب کو مگر نافع) ان (دہی) لوگوں کیلئے
ہوں گے (جو بھلے بڑے کی کچھ خبر رکھتے ہیں) کیونکہ غور ایسے ہی لوگ کیا کرتے ہیں (اور وہ
اللہ) ایسا ہے جس نے تم (سب) کو (اصل میں) ایک شخص سے (کہ آدم علیہ السلام ہیں)
پیدا کیا پھر آگے تو توالد و تناسل کا اس طرح سلسلہ جاری چلا آ رہا ہے کہ تم میں سے بعض
کے لئے مرتبہ مادہ میں، ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے، (یعنی ماں کا رحم) اور ایک جگہ چند
رہنے کی (یعنی باپ کی پشت بقولہ تعالیٰ مِنْ ثَوْنِ بَيْنِ الصُّلْبِ) بیشک ہم نے (یہ) دلائل (بھی)
توحید و انعام کے) خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں (عام طور پر مگر ان کا فلع بھی مشل
سابقہ) ان (دہی) لوگوں کے لئے (ہوگا) جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں (یہ تفصیل ہوگئی بخیر)
الحق الحق کی۔

معارف و مسائل

پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کی ہٹ دھرمی اور خالق و نتائج سے غفلت کا تذکرہ
تھا، اور ان سب خرابیوں کی اصل بنیاد خدا تعالیٰ اور اس کے بے مثال علم و قدرت سے
بے خبری ہے، اس لئے مذکورہ چار آیات میں حق تعالیٰ نے غافل انسان کے اس روگ کا
علاج اس طرح فرمایا ہے کہ اپنے وسیع علم اور عظیم قدرت کے چند نمونے اور انسان پر اپنے
الغامت و احسانات کا ایک سلسلہ ذکر فرمایا، جن میں ادنیٰ غور کرنے سے ہر سلیم الفطرت
انسان خالق کائنات کی عظمت اور بے مثال قدرت کا اور اس بات کا قائل ہوتے بغیر
نہیں رہ سکتا کہ عظیم الشان کارنامے ساری کائنات میں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی قدرت
میں نہیں۔

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا: إِنَّ اللَّهَ ذَلِكُمُ اللَّهُ الَّذِي يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ، یعنی اللہ تعالیٰ
پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گھٹلیوں کو، اس میں قدرت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ بتلایا گیا
ہے کہ خشک دانہ اور خشک گھٹلی کو پھاڑ کر اس کے اندر سے ہر ابھر اور رشت نکال دینا صرف

اسی ذات پاک کا فضل ہے جو فائق کائنات ہے، انسان کے سنی و عمل کو اس میں کوئی دخل نہیں، کاشتکار کی ساری کوششوں کا حاصل اس سے زائد نہیں ہوتا کہ وہ اندر گھٹل کے اندر سے جو نازک کوئل قدرت خداوندی نے نکالی ہے اس کی راہ سے موانع اور مضر چیزوں کو دور کر دے، زمین کو بکلی وغیرہ کے ذریعہ نرم کرنا پھر کھا ڈالنا پانی دینا ان سب اعمال کا اثر زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ نیکلے والی نازک کوئل کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، باقی اصل کام کہ داند اور گھٹل چھین کر اس میں سے درخت کی کوئل نیکلے اور پھر اس میں رنگ برنگ کے عجیب و غریب پتے اور پھیر ایسے پھل پھول لگھیں کہ انسان کی عقل و دماغ اس کا ایک پتہ یا ایک پھٹھری بنانے سے عاجز ہے، اس میں ظاہر ہے کہ کسی انسانی عمل کو دخل نہیں، اسی لئے قرآن میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا: أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْمِلُونَ وَإِذْ تَخْرُجُونَ فَاذْكُرُوا أَهْلَ بَيْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ، یعنی کیا تم آن دنوں کو نہیں دیکھتے جن کو تم مٹی میں ڈال دیتے ہو کہ ان کو تم نے بریا اور بنایا ہے یا ہم نے۔

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا يَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ، یعنی اللہ تعالیٰ ہی بے جان چیزوں میں سے جاندار چیزوں کو پیدا کرتا ہے، بے جان سے جاندار نطفہ یا اندازا ہے، جن سے انسان اور حیوانات کی تخلیق ہوتی ہے، اسی طرح جانداروں سے بے جان چیزیں نکال دیتا ہے، یہاں بھان جانداروں کو نطفہ اور اندازہ کہ وہ جاندار چیزوں کا نکلتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا وَلَكُمْ اللَّهُ فَاثِي تَوَكَّلُوا، یعنی یہ سب کام صرف ایک اللہ تعالیٰ کے کئے اور بنائے ہوئے ہیں، پھر یہ جانتے ہوئے تم کس طرف بہکے چلے جا رہے ہو کہ خود تراشیدہ بتوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا معبود کہنے لگے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے خَلِقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، فائق کے معنی پھاٹنے والا اور آماج کے معنی میان وقت صبح کے ہیں، فائق الاصباح کے معنی ہیں پھاٹنے والا صبح کا، یعنی گہری اندھیری کی چادر کو پھاڑ کر صبح کا نکالنے والا، یہ بھی اُن افعال و اعمال میں سے ہے جس میں جن و بشر اور ساری کائنات کی قوتیں ہیج ہیں، اور ہر آنکھوں والا دیکھ کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو کہ رات کی اندھیری کے بعد صبح کا اجالا پیدا کرنے والا نہ کوئی انسان ہو سکتا ہے نہ فرشتہ نہ کوئی دوسری مخلوق، بلکہ یہ صرف اُس مافوق الادراک ہستی کا کام ہے جو سارے جہان کی پیدا کرنے والی ہے۔

خلوقات کے آرام کے لئے رات کی قدرتی اور جبری تعین ایک عظیم نعمت ہے

کہا جاتا ہے جس پر پہنچ کر انسان سکون و اطمینان اور راحت حاصل ہو، اسی لئے انسان کے رہنے کے گھر کو قرآن میں سکون فرمایا ہے، يَخْلُقُ لَكُمْ مَعِينًا مَبْنًى وَكَعَمَدًا مَبْنًى کہ انسان کا گھر خواہ ایک چھوٹی سی ہو وہاں پہنچ کر انسان کو عادت سکون و راحت حاصل ہوتی ہے اس لئے معنی اس جملہ کے یہ ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو ہر جاندار کے لئے سکون و راحت کی چیز بنائی ہے، فائق الاصباح میں اُن نعمتوں کا ذکر کیا جو انسان دن کے اچالے سے حاصل کرتا ہے، رات کی تاریکی میں نہیں ہو سکتی، اس کے بعد يَخْلُقُ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ فرمایا کہ اس طرف اشارہ فرمادیا کہ جس طرح دن کا اجالا ایک عظیم نعمت ہے، کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے سب کاروبار کرتا ہے، اسی طرح رات کی تاریکی کو بھی بڑا نفع دہاں وہ بھی ایک بڑی نعمت ہے، کہ اس میں دن بھر کا تھکا مٹا انسان آرام کر کے اس قابل ہو جاتا ہے کہ آئندہ کل میں پھر نشاط اور جوش کے ساتھ کام کر سکے، ورنہ انسانی فطرت مسلسل محنت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ رات کی تاریکی کو راحت کے لئے متعین کر دینا ایک مستقل نعمت اور اللہ تعالیٰ کی قدر قاہرہ کا ایک خاص مظہر ہے، مگر یہ نعمت روزانہ بے مانگے مل جاتی ہے، اس لئے انسان کا دھیان بھی کبھی نہیں جاتا کہ یہ کتنا بڑا احسان و انعام ہے، غور کیجئے کہ اگر ہر شخص اپنے اہل و عیال سے اپنے آرام کا وقت متعین کرتا تو کوئی صبح کو آٹھ بجے سونے کا ارادہ کرتا، کوئی بارہ بجے، کوئی چار بجے اور کوئی رات کے مختلف حصوں میں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ رات دن کے جو سبب گھنٹوں میں کوئی بھی ایسا گھنٹہ نہ آتا جس میں انسانی کاروبار و محنت مزدوری، کارخانے اور فیکٹریاں نہ چل رہی ہوتیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ سونے والوں کے آرام میں بھی خلل آتا اور کام کرنے والوں کے کام میں بھی، سونے والوں کے آرام میں کام کرنے والوں کے شوش و شب و کھڑکے اور دھماکے مغل ہوتے اور کام کرنے والوں کے کام میں ان لوگوں کی غیر حاضری مغل ہوتی جو اس وقت سو رہے ہیں، اس کے علاوہ سونے والوں کے بہت سے وہ کام رہ جاتے جو اُن کے سونے کے وقت میں ہی ہو سکتے ہیں، اللہ جل شانہ کی قدرت قاہرہ نے نہ صرف انسان پر بلکہ ہر جاندار پر رات کے وقت نیند کا غلبہ ایسا مسلط کر دیا کہ وہ کام چھوڑ کر سو جانے کے لئے مجبور ہوتا ہے، شام ہوتے ہی ہر پرندہ، درندہ، اور چوپائے اپنے اپنے مستقر اور گھر کا رخ کرتے ہیں، ہر انسان جبری طور پر کام چھوڑ کر آرام کرنے کی فکر میں لگتا ہے، پوری دنیا میں ایک سناٹا چھا جاتا ہے، رات کی تاریکی نیند اور آرام میں معین و مددگار ثابت ہوتی ہے، کیونکہ عادت زیادہ روشنی میں نیند نہیں آتی۔ غور کیجئے کہ اگر ساری دنیا کی کھجوریں اور عوام مل کر بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعہ

سونے کا کوئی ایک وقت مقرر کرنا چاہتے تو اولاً اس میں دشواریاں کتنی ہوتیں، ثانیاً اگر سارے انسان کسی معاہدہ کے پابند ہو کر ایک معین وقت سویا کرتے تو جانوروں کو اس معاہدہ کا پابند کون بناتا، اور وہ کھلے پھرتے تو سونے والے انسانوں اور ان کے سامانوں کا کیا حشر ہوتا؟ یہ اللہ جل شانہ ہی کی قدرتِ قاہرہ ہے جس نے جبری طور پر ہر انسان اور ہر جاندار پر ایک معین وقت میں عیندہ مسلط کر کے ان بین الاقوامی معاہدوں کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا، فقہبارک اللہ احسن الخالقین۔

شمسی اور قمری حساب | ارشاد فرمایا: وَالْقَمَرُ حَسْبَانَا، حُتْبَان یعنی مصدر ہے، حساب کرنے اور شمار کرنے کے معنی میں آتا ہے، معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب و ماہتاب کے طلوع و غروب اور ان کی رفتار کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے جس کے ذریعہ انسان سالوں مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کا بلکہ منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب آسانی لگا سکتا ہے۔

یہ اللہ جل شانہ ہی کی قدرتِ قاہرہ کا عمل ہے کہ ان عظیم الشان نورانی گروں اور ان کی حرکات کو ایسے مستحکم اور مضبوط انداز سے رکھا ہے کہ ہزاروں سال گزر جانے پر بھی ان میں کبھی ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان کی مشینری کو نہ کسی درکشاپ کی ضرورت پڑتی ہے، نہ پڑنے سے گھٹنے اور بندنے سے کوئی سابقہ پڑتا ہے، یہ دونوں نور کے گئے اپنے اپنے دائروں میں ایک معین رفتار کے ساتھ چل رہے ہیں، لَا الْمَشْرِقُ يَمْسُكُ بِالْمَغْرِبِ کہ آفاقِ قَدْر وہ ان کے وَلَا الْمَغْرِبُ يَمْسُكُ بِالْمَشْرِقِ ہزاروں سال میں بھی ان کی رفتار میں ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، افسوس کہ قدرت کے اس مستحکم اور غیر متبدل نظام ہی سے انسان دھوکا کھا گیا کہ انھی چیزوں کو مستقل بالذات بلکہ معبود و مقصود بنا بیٹھا، اگر ان کا یہ نظام کبھی ٹوٹا کرتا، ان کی مشینری درست کرنے کے لئے کچھ دنوں یا گھنٹوں کے وقفے ہوا کرتے تو انسان سمجھ لیتا کہ یہ مشین خود بخود نہیں چل رہی، بلکہ اس کا کوئی چلانے والا ہے، اور بنانے والا ہے، مگر آئے روشنی ملیح تو برہن بلا شدی، ان گروں کے غیر متبدل اور مستحکم نظام نے انسان کی نظروں کو خیرہ کر دیا، اور اپنی طرف لگا لیا، یہاں تک کہ وہ اس کو بھول بیٹھا کہ وہ

کوئی محبوب ہی اس پردہ زنجاری میں

آسانی کتابیں اور انبیاء و رسل اس کو اسی حقیقت سے آگاہ کرنے ہی کے لئے نازل ہوئے۔ قرآن کریم کے اس ارشاد نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ سالوں اور مہینوں کا حساب شمسی بھی ہو سکتا ہے اور قمری بھی، دونوں ہی اللہ جل شانہ کے انعامات ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ عام آن پڑھ دنیا کی بھولت اور ان کو حساب کتاب کی الجھن سے بچالے کے لئے

اسلامی احکام میں قمری سن و سال استعمال کئے گئے، اور چونکہ اسلامی تاریخ اور اسلامی احکام مسیحا مدار قمری حساب پر ہے، اس لئے امت پر فرض ہے کہ وہ اس حساب کو قائم اور باقی رکھے، دوسرے حسابات شمسی وغیرہ اگر کسی ضرورت سے اختیار کئے جائیں تو کوئی گناہ نہیں، لیکن قمری حساب کو بالکل نظر انداز اور بھوک دینا گناہ عظیم ہے جس سے انسان کو یہ بھی خبر نہ رہے کہ رمضان کب آئے گا اور ذی الحجہ اور محرم کب۔

آخر آیت میں فرمایا: ذَٰلِكَ تَعْلَمُونَ أَكْثَرَ بَيْنِ الْعِلْمَيْنِ، یعنی یہ حیرت انگیز مستحکم نظام حرکات جس میں کبھی ایک منٹ اور سیکنڈ کا فرق نہ آئے یہ اسی ذاتِ پاک کی قدرت کا کرشمہ ہو سکتا ہے جو عزیز یعنی ہر چیز پر غالب اور قوی بھی ہے، اور عظیم یعنی ہر چیز اور ہر کام کی جاننے والی بھی۔

تیسری آیت میں ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ أَجْزَاءً، یعنی آفتاب و ماہتاب کے علاوہ دوسرے ستارے بھی اللہ جل شانہ کی قدرتِ کاملہ کے خاص مظاہر ہیں، اور ان کے پیدا کرنے میں ہزاروں حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے بھری اور بڑی سفروں میں جہاں رات کی تاریکی کے وقت سمتوں کا پتہ لگانا بھی آسان نہیں رہتا، ان ستاروں کے ذریعہ اپنے راستے متعین کر سکتا ہو جو خیرہ شاہد ہے کہ آج اس مشینری کے زمانہ میں بھی انسان ستاروں کی ہدایت سے بے نیاز نہیں ہو۔ اس آیت میں بھی انسان کی اس غفلت اور کوتاہ نظری پر تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ ستارے بھی کسی بنالے والے اور چلانے والے کے تابع فرمان چل رہے ہیں، نہ اپنے وجود میں مستقل ہیں نہ اپنی بقا و عمل میں، جو لوگ صرف انہی پر اپنی نظریں جما کر بیٹھ رہے، اور ان کے بنانے والے کی طرف نظر نہ کی وہ سخت کوتاہ نظر اور فریب خوردہ ہیں۔

آناں کہ بجز رُوحے تو جائے نگر اند

کو نہ نظر انداز چہ کو نہ نظر انداز

اس کے بعد ارشاد فرمایا: وَقَدْ كَسَبْنَا الْإِنْسَانَ فَكَمْ لَیْقَعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، یعنی ہم نے دلائلِ قدرتِ خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے، ان لوگوں کے لئے جو خیر رکھتے ہیں، اس میں اشارہ فرمایا کہ جو لوگ ان کھلی کھلی نشانیوں سے بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے وہ بے خبر اور بے ہوش ہیں۔

چوتھی آیت میں ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُم مِّنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ و مُسْتَوْدَعٌ۔ مستقر، قرار سے بنا ہے، اس جگہ کو مستقر کہتے ہیں جو کسی چیز کے لئے جاکر قرار

اور ستودے، ودیعت سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی کے پاس عارضی طور سے چند روز رکھ دینے کے، تو ستودے اس جگہ کو کہا جائے گا جہاں کوئی چیز عارضی طور پر چند روز رکھی جائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات پاک ہے جس نے انسان کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا، پھر اس کے لئے ایک مستقر یعنی مدت تک اسے کی جگہ بنا دی اور ایک مستودع یعنی چند روز رہنے کی جگہ۔

قرآن کریم کے الفاظ تو یہی ہیں، ان کی تعبیر و تفسیر میں بہت سی احتمال ہیں، اسی لئے علماء تفسیر کے اقوال اس میں مختلف ہیں، کسی نے فرمایا مستودع ماں کا پیٹ، اور مستقر یہ دنیا ہے، کسی نے فرمایا کہ مستودع قبر ہے اور مستقر دار آخرت، اور بھی متعدد اقوال ہیں، اور الفاظ قرآنی میں سب کی گنجائش ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اس کو ترجیح دی کہ مستقر دار الآخرت کا مقام جنت یا دوزخ ہے اور انسان کی ابتدا و آخرت سے آخرت تک جتنے مراحل اور درجات ہیں وہ سب ستودے یعنی چند روزہ قیام کی جگہ ہیں، خواہ شکم اور ہوا زمین پر رہنے سے ہونے کی جگہ یا قبر و برزخ، قرآن کریم کی ایک آیت سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، جس میں فرمایا: لَنُؤْتِيَنَّكَ جَنَّاتٍ مِّنْ دُونِ هَذِهِ، یعنی تم ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ہمیشہ چڑھتے رہو گے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دار آخرت سے پہلے پہلے انسان اپنی پوری زندگی میں ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے جو ظاہری سکون و قرار کے وقت بھی درحقیقت سفر عمر کے منازل طے کر رہا ہے،

مسافر ہوں کہاں جا رہا ہوں، ناواقف ہوں منزل سے

اڈل سے پھرتے پھرتے گویا ایک بچہ ہوں شکل سے

اس آخری آیت میں ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مخلوقات کی لیر لیر میں مشغول ہو کر اپنے اصل مستقر اور خدا و آخرت سے غافل ہو جانے والے کی آنکھیں کھول دی گئی ہیں، تاکہ وہ حقیقت کو پہچانے اور دنیا کے دھوکہ و فریب سے نجات پائے، مولانا جامی نے خوب فرمایا کہ یہ ہمارے دامن تر ازین است، کہ تو طفلی و خاندان دھینگہ است

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ

اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالی ہم نے اس سے اُگنے والی

كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا

ہر چیز پھر نکالی اس میں سے سبز پھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا،

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ

اور کھجور کے گلابے میں سے پھل کے گچے جیسے ہونے اور باغ انگور کے

وَالزَّيْتُونِ وَالرَّهْمَانِ مِثْمًا وَغَيْرِ مِثْمًا يُنْظَرُ إِلَى

اور زیتونی کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی دیکھو ہر ایک

ثَمَرًا إِذَا أَشْرَبْتُمُوهُمُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ

درخت کے پھل کو جب پھل لانا ہو اور اس کے پچھے کو، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ایمان والوں کے

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَ

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہی اور تراشتے ہیں اس کو واسطے بیٹوں اور

بَنَاتٍ يُعْتَبِرُ عِلْمٌ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ

بیتیاں جہالت سے وہ پاک ہے اور بہت دور ہے ان باتوں کو جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، نئی طرح پر

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنِّي يُكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ

بنائے والا آسمان اور زمین کا، کیونکہ ہو سکتا ہے اس کے بیٹا حالانکہ اس کے کوئی

صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

عورت نہیں، اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے، ہیں اللہ

اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ

تمہارا رب ہے نہیں، کوئی معبود سوا اس کے پیدا کرنے والا ہر چیز کا سو تمہاری عبادت کرو

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ

اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے

خلاصہ تفسیر

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے آسمان (کی طرف) سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس (ایک ہی پانی) کے ذریعہ سے ہر قسم کے (رنگ برنگ) نباتات کو زمین سے نکالا، ایک ہی پانی ایک ہی مٹی سے اتنی مختلف قسم کی نباتات جن کے رنگ و بو، ذائقہ، فوائد و عیجود مختلف ہیں، کس قدر عجیب کرشمہ قدرت ہے، پھر ہم نے اس (کو پھل) سے (جو اڈل زمین سے نکلتی ہے، جس کو بعض مقامات میں سوئی یا کھوئی کہتے ہیں اور رنگ میں (رد ہوتی ہے)

سبز شاخ نکالی کہ اس (شاخ) سے ہم اور تم نے دلے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں (یہ تو غلوں کی کیفیت ہو جس کا ذکر اجمالاً فان الحب والنوى میں آچکا اور کھجور کے درختوں سے) یعنی انکے گھٹے میں سے خوشے نکالتے ہیں جو رابے بوجھ کے، نیچے کو کھٹے جاتے ہیں اور داسی پانی سے ہم نے، انگوروں کے باغ (پیدا کئے) اور زیتون و انار (کے درخت پیدا کئے) جو کہ (بعض انار اور بعض زیتون پھل کی صورت) شکل و مقدار و رنگ وغیرہ کے اعتبار سے، ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور (بعض) ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے (ذرا) ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا کر کہ اس وقت بالکل کچا بد مزہ ناقابل انتفاع ہوتا ہے) اور پھر اس کے پھنے کو دیکھو کہ اس وقت سب اوصاف میں کیسا کامل ہو گیا، یہ بھی خدا کی قدرت کا ظہور ہے) ان (امور) میں (بھی) دلائل (توحید کے موجود) ہیں (اور گویا باعتبار تبلیغ کے سب کے لئے ہیں مگر انتفاع کے اعتبار سے) ان (ہی) لوگوں کے لئے (ہیں) جو ایمان لانے کی فکر رکھتے ہیں (یہ میوے اور پھلوں کا بیان ہوا جن کا ذکر اجمالاً والنوى میں آچکا ہے)

اور (مشرک) لوگوں نے (اپنے اعتقاد میں) شیاطین کو (رایے) اللہ کا (جس کے صفات و افعال اور مذکور ہوئے) شریک قرار دے رکھا ہے (کہ ان کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں اور خدا کے مقابلہ میں ان کے کہنے پر چلتے ہیں) حالانکہ ان لوگوں کو خود ان کے اقرار کے موافق بھی (خدا ہی) نے پیدا کیا ہے (جب خالق کوئی اور نہیں تو معبود بھی کوئی اور نہ ہونا چاہئے) اور ان (مشرکین میں سے بعض) لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں (اپنے اعتقاد میں) محض بلا دلیل تراش رکھی ہیں (جیسے نصاریٰ حضرت مسیح کو اور بعض یہود حضرت مزیر کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے) وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ (خدا تعالیٰ کی شان میں) بیان کرتے ہیں (یعنی یہ کہ اس کا کوئی شریک ہو یا اس کے کوئی اولاد ہو) وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد و معینی نیست سے ہست کرنے والا ہے (اور دوسرا کوئی موجد نہیں، پس معبود بھی کوئی اور نہ ہوگا، اس سے تو شریک کی نفی ہوئی اور اولاد کی نفی کی دلیل یہ ہے کہ اولاد کی حقیقت یہ ہو کہ میاں بی بی ہوں اور ان دونوں کی مقارنت سے تیسری جان دار چیز پیدا ہو تو) اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے، حالانکہ اس کے کوئی بی بی تو ہے نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے (جیسا ان لوگوں کو پیدا کیا و خلق اور زمین و آسمان کو پیدا کیا، بدیع السموات الخ اسی طرح اس نے) ہر چیز کو پیدا کیا، اور (جس طرح وہ خالقیت میں یکتا ہے، اسی طرح اس صفت میں بھی یکتا ہو کہ) وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (اذا لا بھی ابتدا بھی اور اس وصف میں بھی اس کا کوئی شریک

نہیں اور تخلیق بدون علم کے ہو نہیں سکتی، اس سے بھی ثابت ہو کہ اور کوئی خالق نہیں) یہ ذات جس کے صفات کمال بیان کئے گئے ہیں، ہے اللہ تعالیٰ رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر چیز کا پیدا کرنے والا (جیسا اور بیان ہوا جب یہ صفات اللہ ہی میں ہیں) تو تم لوگ اس (ہی) کی عبادت کرو اور (پھر یہ کہ) وہ (ہی) ہر چیز کا کار ساز (حقیقی) ہے (دوسرا کوئی کار ساز بھی نہیں ہے) اس کی عبادت کرو گے تو وہ تم کو نفع حقیقی پہنچائے گا اور دوسرا کیا دیدے گا، غرض خالق بھی وہی علیم بھی وہی وکیل بھی وہی، اور یہ سب امور مقتضی ہیں کہ معبود بھی وہی ہو۔

معارف و مسائل

ان مضامین میں ایک عجیب ترتیب کی رعایت ہے، وہ یہ کہ یہاں تین قسم کی کائنات مذکور ہے، سفلیات، علویات، کائنات بخ، یعنی فضا سے آسانی میں پیدا ہونے والی اشیاء اور میان شروع کیا سفلیات سے کہ وہ ہم سے اقرب ہیں اور پھر اس کے دُور حصے کئے، ایک بیان زمین سے اُگنے والی نباتات اور درختوں، باغوں کا، دوسرے حیوانات السان اور جانوروں کا اول کو مقدم کیا کہ بہ نسبت دوسرے کے نسبت ظاہر ہے، اور دوسرے کا محالہ کہ روح پر موقوف ہو دقیق ہے، چنانچہ لفظ کے مختلف مراحل اور حالات اور اک الہام کے ساتھ مخصوص ہے، بخلاف نباتات کے بڑھنے، پھلنے پھولنے وغیرہ کے کہ عام طور سے مشاہد ہے، پھر فقاً آسانی کی کائنات کو ذکر کیا، مع دشام، پھر علویات کو ذکر کیا، شمس و قمر و نجوم، پھر چونکہ سفلیات کا دنیا مشاہدہ ہوتا ہے، اس کو مکرر لاکر اس پر ختم فرمایا، مگر پہلے وہ اجمالاً مذکور تھا اب تفصیل سے ذکر کیا گیا، لیکن تفصیل کی ترتیب میں اجمال کی ترتیب کا عکس کر دیا گیا، کہ بیان اُنفس کو مقدم کیا، اور بیان نباتات کو مؤخر، ممکن ہے کہ اس کا مبدی یہ ہو کہ اس مفصل بیان میں اظہار نعمت کا عنوان اختیار کیا گیا ہے تو اس حیثیت سے منعم علیہ بوجہ مقصود و مقبوع ہونے کے قابل تقدیم کے ہو اور نباتات میں ترتیب سابق باقی ہے کہ جو بہ بین غلات کی کیفیت دانہ اور شعل پر مقدم رہی، اور بارش کا درمیان میں ذکر آنا نباتات کے تابع ہے، اور اس میں ایک لطیفہ بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ بارش کی مختلف حیثیات ہیں، مبداء کے اعتبار سے تو عالمی اور منہی کے اعتبار سے سفلی اور مسافت کے اعتبار سے فضائی ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ

خبریں پستیں اس کو آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف

التَّجِيرُ ۝ قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ
اور خبردار ہے، تمھارے پاس آچھیں نشانیاں تمھارے رب کی طرف سے، پھر جس نے دیکھ لیا

لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَنِ قَعْلِهِمَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝۱۰۷
سواپنے واسطے اور جو اندھا رہا سواپنے نقصان کو اور میں نہیں تم پر بھجبان اور

كَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ أَدْرَسَتْ وَلُبَيْتِهِ
یوں طرح طرح سے سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے کسی سے پڑھا ہوا اور تاکہ واضح کر دیں ہم انکو

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ اتَّبِعْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ لَا إِلَهَ
واسطے سمجھ والوں کے، اور تو جہل اس پر جو حکم تجھ کو آئے میرے رب کا کوئی معبود نہیں

إِلَّا هُوَ ۚ وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا
سوا اس کے اور نہ پھیرے مشرکوں سے، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ

أَشْرَكُوا ۚ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۚ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِمْ
لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے نہیں کیا تجھ کو ان پر بھجبان اور نہیں ہے تو ان پر

يُوكَّلُ ۝۱۰۸

دار و عنہ

خلاصہ تفسیر

اور اس کے علم ہونے کی اور اس میں منفرد ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ اس کو تو کسی کی

نگاہ محیط نہیں ہو سکتی دنیا میں تو اس طرح کہ کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا، جیسا کہ دلائل شرعیہ سے

ثابت ہے، اور آخرت میں اس طرح کہ اہل جنت گو دیکھیں گے جیسا کہ یہ بھی دلائل شرعیہ

سے ثابت ہے، لیکن احاطہ محال ہے گا اور جس محسوس بالہصر کے ظاہر کا احاطہ احساس بھیجی
سے محال ہو تو اس کی حقیقت بالحق کا کہ ظاہر کے مقابلہ میں بدرجہا خفی تر ہے، احاطہ کرنا عقل
جو کہ احساس کی چیز زیادہ عقلی خطا کر دے آؤنی حال ہوگا، اور وہ دین اللہ تعالیٰ سب نگاہوں کو درجہ اس کے

احاطہ سے عاجز تھیں (جو) محیط ہو جاتا ہے (اسی طرح اور چیزوں کو بھی علم محیط ہے،
وہو یکنشی علیہم) اور اس امر سے کہ وہ سب کو محیط ہے اور اس کو کوئی محیط نہیں لائے
آگیا کہ وہی بڑا باریک بین، باخبر ہے اور کوئی دوسرا نہیں، اور یہ وہ کمال علم ہے جس میں

اللہ تعالیٰ یکتا ہے، آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اب بلاشبہ تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے

حق باری کے ذریعہ راسخ توحید و رسالت کے حق ہونے کے دلائل عقلیہ و نقلیہ، پہنچ چکے ہیں سو

جو شخص دان کے ذریعہ سے حق کو (دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ

اپنا نقصان کرے گا اور میں تمھارا دین تمھارے اعمال کا (نگراں نہیں ہوں، دین جیسا انگریز کرنے

والے کے ذمہ ہوتا ہے کہ ناشائستہ حرکت نہ کرنے دے، یہ میرے ذمہ نہیں، میرا کام صرف تبلیغ

(ہے) اور ردیجئے، ہم اس (عوام) طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ

سب کو بچا دیں، اور تاکہ یہ (منکرین تعصب سے) یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے دان معاینہ کو

پڑھ لیا ہے (مطلب یہ کہ تاکہ ان پر اور زیادہ الزام ہو کہ ہم تو اس طرح واضح کر کے حق کو ثابت

کرتے تھے اور تم پھر لغو بہانے تراشتے تھے) اور تاکہ ہم اس (قرآن کے معنایں) کو دلفندوں

کے لئے خوب ظاہر کر دیں یعنی قرآن کے نازل کرنے کے تین فائدے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو اجر

تبلیغ ملے، دوسرے یہ کہ منکرین پر زیادہ جرم قائم ہو، تیسرے یہ کہ دانشمند و طالبان حق کو حق ظاہر

ہو جاوے (ہیں) آپ دیکھئے کہ کون ماننا ہے اور کون نہیں ماننا، خود اس طریق پر چلتے رہتے ہیں
(پہلے کی دھڑکی دیکھ کر یہ کہ کوئی دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ
اپنا نقصان کرے گا اور میں تمھارا دین تمھارے اعمال کا (نگراں نہیں ہوں، دین جیسا انگریز کرنے
والے کے ذمہ ہوتا ہے کہ ناشائستہ حرکت نہ کرنے دے، یہ میرے ذمہ نہیں، میرا کام صرف تبلیغ
(ہے) اور ردیجئے، ہم اس (عوام) طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ
سب کو بچا دیں، اور تاکہ یہ (منکرین تعصب سے) یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے دان معاینہ کو
پڑھ لیا ہے (مطلب یہ کہ تاکہ ان پر اور زیادہ الزام ہو کہ ہم تو اس طرح واضح کر کے حق کو ثابت
کرتے تھے اور تم پھر لغو بہانے تراشتے تھے) اور تاکہ ہم اس (قرآن کے معنایں) کو دلفندوں
کے لئے خوب ظاہر کر دیں یعنی قرآن کے نازل کرنے کے تین فائدے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو اجر
تبلیغ ملے، دوسرے یہ کہ منکرین پر زیادہ جرم قائم ہو، تیسرے یہ کہ دانشمند و طالبان حق کو حق ظاہر
ہو جاوے (ہیں) آپ دیکھئے کہ کون ماننا ہے اور کون نہیں ماننا، خود اس طریق پر چلتے رہتے ہیں

معارف و مسائل

سورۃ النام کی ان پانچ آیات میں سے پہلی آیت میں اِصْرَ الْبَہْرِ کی جمع ہے جس کے معنی

ہیں گھاہ اور دیکھئے کی قوت اور اور آگ کے معنی پالینا، پکڑ لینا، احاطہ کر لینا ہیں، حضرت ابن عباسؓ

نے اس جگہ اور آگ کی تفسیر احاطہ کر لینا بیان فرمائی ہے (بحر محیط)
معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ ساری مخلوقات جن دافس و ملائکہ اور تمام حیوانات کی
نگاہیں مل کر بھی اللہ جل شانہ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ یہ نگاہیں اس کی ذات کا احاطہ

کر لیں، اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگاہوں کو پوری طرح دیکھتے ہیں اور ان کا دیکھنا ان سب پر محیط ہے، اس مختصر آیت میں حق تعالیٰ کی دو مخصوص صفتوں کا ذکر ہے، اول یہ کہ ساری کائنات میں کسی کی نگاہ بلکہ سب کی نگاہیں مل کر بھی اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جہان کے سارے انسان اور جنات اور فرشتے اور شیطان جب سے پیدا ہوئے، اور جب تک پیدا ہوتے رہیں گے وہ سب کے سب مل کر ایک صفت میں کھڑے ہو جائیں تو سب مل کر بھی اس کی ذات کا اپنی نگاہ میں احاطہ نہیں کر سکتے۔ (منہجی بحوالہ ابن ابی حاتم)

اور یہ خاص صفت حق جل و علا شانہ کی اس ہو سکتی ہے، ورنہ نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی چھوٹی سے چھوٹی آنکھ دنیا کے بڑے سے بڑے کڑے کو دیکھ سکتی اور نگاہ سے اس کا احاطہ کر سکتی ہے، آفتاب و مہتاب کتنے بڑے بڑے کڑے ہیں کہ زمین اور ساری دنیا کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، مگر ہر انسان بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی آنکھ ان کڑوں کو اسی طرح دیکھتی ہے کہ نگاہ میں ان کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ نگاہ تو انسانی خواہ اس میں سے ایک حاستہ ہے، جس سے صرف محسوس چیزوں کا علم حاصل ہو سکتا ہے، حق تعالیٰ کی ذات پاک تو عقل و دہم کے احاطہ سے بھی بالاتر ہے، اس کا علم اس حاستہ بصر سے کیسے حاصل ہو سکتا تو دل میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

حق تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہیں، اور انسانی خواہ اس اور عقل و خیال سب محدود چیزیں ہیں، ظاہر ہے کہ ایک غیر محدود کسی محدود چیز میں نہیں سما سکتا، اسی لئے دنیا کے عقلاء و فلاسفہ جنہوں نے عقلی دلائل سے خالص کائنات کا پتہ لگانے اور اس کی ذات و صفات کے ادراک کے لئے اپنی عمریں بحث و تحقیق میں صرف کیں، اور صوفیائے کرام جنہوں نے کشف و شہود کے راستہ سے اس میدان کی سیاحت کی، سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ذات و صفات کی حقیقت کو نہ کسی نے پایا نہ پاسکتا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

دور بنان بارگاہ الست - غیر از پی نہ بردہ اند کہ مست
اور حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم
کہ حیرت گرفت آستینم کہ تم

رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ انسان کو حق تعالیٰ کی زیارت ہو سکتی ہے یا نہیں! اس مسئلہ میں تمام علماء اہلسنت والجماعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس عالم دنیا میں حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ اور زیارت نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ درخواست کی کہ ربّ کی ذات کو دیکھنے کے لئے میرے پروردگار مجھے اپنی زیارت کرا دیجئے، تو جواب میں ارشاد ہوا کہ تُو کُرا لینی ”آپ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے“ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ جواب ملا کہ تو پھر اور کسی جن و بشر کی کیا مجال ہے، البتہ آخرت میں مومنین کو حق تعالیٰ کی زیارت ہونا صحیح و قوی احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور خود قرآن کریم میں موجود ہے

وَمِنْ حُجُجِ الْبَيِّنَاتِ اَنَّ
رَبَّنَا لَا يُفِئُ الْفَاسِقِينَ
وَمِنْ حُجُجِ الْبَيِّنَاتِ اَنَّ
رَبَّنَا لَا يُفِئُ الْفَاسِقِينَ

البتہ کفار و منکرین اس روز بھی سزا کے طور پر حق تعالیٰ کی رویت سے مشرف نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے
”یٰٰمَنْ كَفَرَ اس روز اپنے رب کی زیارت سے محروم ہو کر رہے“
اور آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت مختلف مقامات پر ہوگی، عرصہ محشر میں بھی، اور جنت میں پہنچنے کے بعد بھی، اور اہل جنت کے لئے ساری نعمتوں سے بڑی نعمت حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ جو نعمتیں جنت میں مل چکی ہیں ان سے نادمہ اور کچھ چاہئے تو بتلاؤ کہ ہم وہ بھی دیدیں، یہ لوگ عرض کریں گے، یا اللہ! آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، جنت میں داخل فرمایا، اس سے زیادہ ہم اور کیا چاہیں؟ اس وقت حجاب درمیان سے اٹھا دیا جائے گا، اور سب کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی، اور جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی، یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات چاند کی چاندنی میں تشریف فرما تھے، اور صحابہ کرام کا مجمع تھا، آپ نے چاند کی طرف نظر فرمائی

اور پھر فرمایا کہ آخرت میں تم اپنے رب کو ایسی طرح عیاں دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔
 ترمذی اور مسند احمد کی ایک حدیث میں بروایت ابن عمر منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں
 کو جنت میں خاص درجہ عطا فرمائیں گے، ان کو روزِ آخر صبح و شام حق تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔
 خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی کو حق تعالیٰ کی زیارت نہیں ہو سکتی، اور آخرت میں سب اہل جنت
 کو ہوگی، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شبِ معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی درحقیقت
 عالمِ آخرت ہی کی زیارت ہے، جیسا شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ دنیا صرف اس جہان
 کا نام ہے جو آسمانوں کے اندر محصور ہے، آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے، وہاں پہنچ کر
 جو زیارت ہوئی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جاسکتا۔

اب سوال یہ رہتا ہے کہ جب آیت قرآن لَا تَدْرِيكَ إِلَّا بَصَاطُ رَسُوْلِهِ مَعْلُوْمٌ ہو کہ انسان کو
 اللہ تعالیٰ کی رُوبیت ہو رہی نہیں سکتی تو پھر قیامت میں کیسے ہوگی؟ اس کا جواب کھلا ہوا یہ ہے
 کہ آیت قرآن کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے لئے حق تعالیٰ کی رُوبیت و زیارت ناممکن ہے، بلکہ معنی
 آیت کے یہ ہیں کہ انسانی نگاہ اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کی ذات غیر محدود اور
 انسان کی نظر محدود ہے۔

قیامت میں بھی جو زیارت ہوگی وہ ایسی طرح ہوگی کہ نظر احاطہ نہیں کر سکے گی، اور دنیا
 میں انسان اور اس کی نظر میں اتنی قوت نہیں جو اس طرح کی رُوبیت کو بھی برداشت کر سکے،
 اس لئے دنیا میں رُوبیت مطلقاً نہیں ہو سکتی، اور آخرت میں قوت پیدا ہو جائے گی، تو رُوبیت
 زیارت ہو سکے گی، مگر نظر میں ذات حق کا احاطہ اُس وقت بھی نہ ہو سکے گا۔

دوسری صفت حق تعالیٰ شانہ کی اس آیت میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی نظر ساری
 کائنات پر محیط ہے، دنیا کا کوئی ذرہ اس کی نظر سے چھپا ہوا نہیں، یہ علم مطلق اور احاطہ علمی بھی حق
 تعالیٰ شانہ کی ہی خصوصیت ہو، اس کے سوا کسی مخلوق کو تمام اشیاء کائنات اور ذرہ ذرہ کا علم
 نہ کہی..... حاصل ہوا نہ ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ مخصوص صفت ہے ربِّ العزت جل شانہ کی۔
 اس کے بعد ارشاد فرمایا وَ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ، لطیف عربی لغت کے اعتبار سے
 دو معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، ایک معنی مہربان، دوسرے بمقابلہ کثیف، یعنی وہ چیز جو اس کے
 ذریعہ محسوس و معلوم نہیں کی جاسکتی۔

اور خبر کے معنی ہیں باخبر، معنی اس جملہ کے یہ ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہیں اس لئے
 جو اس کے ذریعہ ان کا ادراک نہیں کیا جاسکتا، اور خبر ہیں، اس لئے ساری کائنات کا کوئی ذرہ
 ان کے علم و خبر سے باہر نہیں، اور اگر لطیف کے اسے جگہ مہربان کے لئے جاوے تو اشارہ اس طرف

ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ہائے ہر قول و فعل بلکہ ارادہ اور خیال سے بھی باخبر ہیں، جس کا اقتضایہ تھا
 کہ ہم ہر گناہ پر پھڑپھڑے جایا کرتے، مگر چونکہ وہ لطیف و مہربان بھی ہیں، اس لئے ہر گناہ پر مواخذہ
 نہیں فرماتے۔

دوسری آیت میں لفظ بَصَاۓر، بصیرت کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں عقل و دانش یعنی
 وہ قوت جن کے ذریعہ انسان غیر محسوس چیزوں کا علم حاصل کر سکتا ہے، بصائر سے مراد آیت میں
 وہ دلائل اور ذرائع ہیں جن سے انسان حق اور حقیقت کو معلوم کر سکے، معنی آیت کے یہ ہیں کہ
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس جن بیانیہ کے ذرائع اور وسائل پہنچ چکے ہیں، یعنی قرآن آیا،
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے، آپ کے معجزات آئے، آپ کے اخلاق و معاملات و
 تعلیمات مشاہدہ میں آئیں یہ سب حق بیانیہ کے ذرائع ہیں۔

تو جو شخص ان ذرائع سے کام لے کر صاحبِ بصیرت بن گیا، اس نے اپنا نفع حاصل کر لیا
 اور جو ان ذرائع کو چھوڑ کر حق سے اندھا رہا تو اپنا ہی نقصان کیا۔

آخر آیت میں فرمایا کہ میں تمہارا نگران نہیں، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے
 ذمہ دار نہیں کہ لوگوں کو زبردستی کر کے ناشائستہ کاموں سے روک ہی دیں، جیسے نگران اور محافظ
 کا کام ہوتا ہے، بلکہ رسول کا منصبی فریضہ صرف احکام کا پہنچانا اور بھاد دینا ہے، پھر کوئی
 اپنے اختیار سے ان کا اتباع کرے یا نہ کرے، یہ اس کی ذمہ داری ہے۔

توحید و رسالت پر جو واضح دلائل پھیلی آیات میں بیان ہو چکے ہیں، تیسری آیت میں
 ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا اَنۡتَ لَا تَعۡصِمُ عَنْ اللّٰہِ شَیۡئًا، یعنی ہم اسی طرح دلائل
 کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا، وَ لَیۡسَ لَکَ اَدۡرَآءُ شَیۡئًا مِّنۡ مَّا یَعۡلَمُ عَلٰی سَمۡعِہٖ وَاَبۡصَٰرِہٖ وَاَنۡفِہٖ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الْبَصِیۡرُ
 جن کا حاصل یہ ہے کہ سارا ہدایت کا سامان معجزات اور دلائل بے مثل کتاب قرآن اور ایک اُمتی
 محقق کی زبانِ مبارک سے ایسے علوم و حقائق کا اظہار جن سے ساری دنیا کے فلاسفہ اور حکماء عاجز
 ہیں، ایسا بلیغ کلام جس میں قیامت تک آنے والے جن دبشہ کو چیلنج کیا گیا کہ اس کی ایک
 چھٹی ٹس سورت جیسا کلام کوئی بنا سکے تو لائے اور ساری دنیا اس سے عاجز رہی، یہ سب حق بیانیہ
 کا سامان ایسا تھا کہ ہر نہایت دھرم منکر کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر
 گر جانا چاہئے تھا، لیکن جن لوگوں کی طبیعت میں زلیخ اور کبی تھی، وہ یہ کہنے لگے کہ زورِ شست
 یعنی یہ علم تو آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا وَ لَیۡسَ لَکَ اَدۡرَآءُ شَیۡئًا مِّنۡ مَّا یَعۡلَمُ عَلٰی سَمۡعِہٖ وَاَبۡصَٰرِہٖ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الْبَصِیۡرُ
 جس کا حاصل یہ ہے کہ دشمن

جن کی سمجھ و درست اور فہم سلیم ہے ان کے لئے یہ بیان نافع و مفید ثابت ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ سامانِ ہدایت تو سب کے سامنے رکھا گیا مگر کچھ لوگوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا، اسلیم اللہم لوگ اس کے ذریعہ دنیا کے رہبر بن گئے۔

چوتھی آیت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ آپ یہ نہ دیکھئے کہ کون ماننا ہو اور کون نہیں ماننا، آپ خود اُن طریق پر چلتے رہتے جس طریق پر چلنے کے لئے آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف وحی نازل ہوئی ہے، جس میں بڑی چیز یہ اعتقاد ہے کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، نیز اس وحی میں تبلیغ کا حکم بھی داخل ہے، اس پر قائم رہ کر مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے کہ انھوں نے کیوں متبدل نہ کیا۔

پانچویں آیت میں اس کی وجہ بتلائی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی طور پر یہ منظور ہوتا کہ سب ان کے مسلمان ہو جائیں تو یہ شرک نہ کر سکتے، لیکن ان کی بدعتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ ان کو مزاحمت تو ایسا ہی سامانِ جمع کر دیا، پھر آپ ان کو کیسے مسلمان بنا سکتے ہیں، اور آپ اس فکر میں پڑیں کیوں، ہم آپ کو ان کے اعمال کا نگران نہیں بنایا، اور نہ آپ ان اعمال پر عذاب دینے کے ہماری طرف سے مختار ہیں، اس لئے آپ کو ان کے اعمال سے تشویش نہ ہونی چاہئے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ فَيَسُبُّوا اللَّهَ

اور تم لوگ بڑا نہ کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہتے ہیں اللہ کو

عَدَاوَاتٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلُهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ

بے ادبی سے بدون سمجھے اس طرح ہم نے فرقہ کر دیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں ان کے اعمال کو، پھر ان سب

رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ وَأَقِمُّوا

کو اپنے رب کے پاس پہنچا ہے تب وہ بتلائے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے اور وہ تمہیں دکھائے گا

بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لِيَبْلُغَهُمْ آيَةُ الْيَوْمِ مِنَ بَحَاثِ

اللہ کی تمکد سے کہ اگر وہ ان کے پاس کوئی نشانی تو حیرت و اس پر ایمان لا دیں گے

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعُرُ كُفْرًا أَهَآذَا جَاءَتْ

تو کہنے کے نشانی تو اللہ کے پاس ہیں اور ہم کو لے مسلمانوں کو یا خبر ہو کہ جب یہ نشانیاں آئیں گی تو

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۹﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْعَادَهُمْ ثُمَّ وَابْصَارَهُمْ كَمَا

ہو لوگ ایمان لے ہی آئیں گے اور ہم اُنٹ دیں گے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے کہ

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۹﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْعَادَهُمْ ثُمَّ وَابْصَارَهُمْ كَمَا

ایمان نہیں لائے نشانوں پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں گے ان کو ان کی سرکشی میں پکے ہوئے

وَلَوْ أَنَّنَا نَرٰ لِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَكَلَّمَهُم

اور اگر ہم انہیں اُن پر فرستے اور ہمیں کریں ان سے

الْمَوْتِ وَحَسَرَآءَ عَلَيْهِمْ كُلُّ شَيْءٍ قَبْلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا

مردے اور زندہ کریں ہم ہر چیز کو ان کے سامنے تو یہی یہ لوگ ہرگز ایمان لا ہیو لے نہیں

أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِن أَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ

مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن ان میں اکثر جاہل ہیں، اور اسی طرح

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي

کر دیا ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن مشرک آدمیوں کو اور جنوں کو، جو کہ سمجھاتے ہیں

بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ

ایک دوسرے کو ملحق کی ہوئی باہم فریب دینے کے لئے اور اگر تیرا رب چاہتا

مَا فَعَلُوهُ قَدْ رُفِعَ لَهُمْ مَا يُفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ وَلِيَصْغِيَ إِلَيْهِ أَفْكَدَا

تو وہ لوگ یہ کام نہ لے، سو تو چھوڑ دے وہ جاہل اور ان کا جھوٹ، اور اس لئے کہ مائل ہوں ان میں

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرَوْهُ وَليَقْتَرِفُوا مَا

کی باتوں کی طرف ان لوگوں کے دل جن کو یقین نہیں آخرت کا اور وہ اس کو بھی پسند کریں اور کئے جاہل

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرَوْهُ وَليَقْتَرِفُوا مَا

جو کچھ بڑے کام کر رہے ہیں

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرَوْهُ وَليَقْتَرِفُوا مَا

خلاصہ تفسیر

اور دشنام دوان (معبودانِ باطلہ) کو جن کی یہ (مشرک) لوگ خدا کی توحید) کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ (تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ براہِ جبل حد سے گذر کر (یعنی غصہ میں آکر) اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے اور اس کا تعجب نہ کیا جائے کہ ایسی گستاخی کو نازل کرنا اللہ کے ساتھ مزاحمتوں میں مل جاتی کیونکہ ہم نے (دنیا میں تو) اسی طرح (جیسا ہوتا ہے) ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل (بھلا ہو یا بُرا ہو) مرغوب بنا رکھا ہے (یعنی ایسے بنا جتے ہو جائیں

کہ ہر ایک کو اپنا طریقہ پسند ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عالم اصل میں ابتلا و امتحان کا ہے، پس اس میں مزا ضرور نہیں) پھر (البتہ اپنے وقت پر) اپنے رب ہی کے پاس ان (سب) کو جانا ہے، سو (اس وقت) وہ ان کو جتنا دیکھا جو کچھ بھی وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے (اور مجرمین کو سزا دیدینا) اور ان (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس (یعنی ان کے فرمائشی نشانوں میں سے) کوئی نشان (ظہور میں) آجائے تو وہ (یعنی ہم) ضرور ہی اس (نشان) پر ایمان لے آئیں گے (یعنی نشان ظاہر کرنے والے کی نبوت کو مان لیں گے، آپ (جو اب میں) کہہ دیجئے کہ نشان سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں وہ ان میں جس طرح چاہے بظن فرمائے دوسرے کو دخل دینا اور فرمائش کرنا بے جا ہے، کیونکہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کس کا ظاہر ہونا حکمت ہے اور کس کا ظاہر نہ ہونا حکمت ہے، البتہ بعثت رسل کے وقت مطلقاً کسی نشان کو ظاہر کر دینا اس میں حکمت یقینی ہے، سو اللہ تعالیٰ بہت سے نشان صدق و دعویٰ رسالت محمدیہ پر ظاہر فرما چکے ہیں جو کہ دلائل کے لئے کافی ہیں، بس یہ ان کی فرمائش کا جواب ہو گیا) اور چونکہ مسلمانوں کے دل میں خیال تھا کہ خوب ہوا گریہ نشان ظاہر ہو جاویں، شاید ایمان لے آویں ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ (فرمائشی نشان جس وقت (ظہور میں) آجادیں گے یہ لوگ (غایت عناد سے) جب بھی ایمان نہ لادیں گے اور ان کے ایمان نہ لائیں گی (وہ سے) ہم بھی ان کے دلوں کو (حق طلبی کے قصد سے) اور ان کی نگاہوں کو (حق بینی کی نظر سے) پھیر دیں گے (اور ان کا یہ ایمان نہ لانا ایسا ہے) جیسا یہ لوگ اس (قرآن) پر (کہ سچہ و عظیمہ) پہلی دفعہ (جبکہ وہ آیا) ایمان نہیں لائے (تو اب ایمان نہ لانا کو بعید مت سمجھو) اور (تقلیب البصار یعنی نگاہوں کو بے کار کرنے کا مطلب ظاہر ہی تقلیب نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ) ہم ان کو ان کی سرکشی (دکھ) میں حیران (سرگرداں) رہنے دیں گے (ایمان کی توفیق نہ ہوگی کہ یہ معنوی تقلیب ہے) اور ان کے عناد کی تو یہ کیفیت ہے کہ اگر ہم (ایک فرمائشی نشان کیا سکتی سکتی اور بڑے بڑے فرمائشی نشان بھی ظاہر کر دیتے، مثلاً یہ کہ) ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے (جیسا وہ کہتے ہیں تو لا اُتٰی اَنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِکَةُ) اور ان سے مرے فوہدہ ہو کر) بایں کرنے لگتے (جیسا وہ کہتے ہیں کا تَوٰٓا بِاٰیٰتِنَا) اور یہ تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں تَاٰتٰی بِالْمَلٰٓئِکَةِ قَبْلِیْلًا) ہم (اسی پر اعتقاد نہ کرتے بلکہ) تمام موجودات (غیبیہ) کو (جس میں جنت و دوزخ سب ہی کچھ آگیا) ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لاکر رکھ دیتے، (کہ سب کو کھلم کھلا دیکھ لیتے) تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے، ہاں مگر خدا ہی چاہے (اور ان کی تقدیر بدل دے) تو اور بات ہے (پس جب ان کے عناد و شرارت کی یہ کیفیت ہے اور خود

بھی وہ اس کو جانتے ہیں کہ ہماری نبوت اس وقت بھی ایمان لانے کی نہیں تو اس کا مقتضائے تھا کہ نشانوں کی فرمائش نہ کرتے کہ صحن بیکار ہے) لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں (کہ ایمان لانے کا تو قصد نہیں پھر خواہ مخواہ کی فرمائشیں کہ جہالت ہونا اس کا ظاہر ہے) اور یہ لوگ جو آپ سے عداوت کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات آپ ہی کے لئے نہیں ہوئی، بلکہ جس طرح یہ آپ سے عداوت رکھتے ہیں (اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی (جس سے اصل معاملہ تھا) اور کچھ جن (ابلیس اور اس کی اولاد) جن میں سے بعضے (یعنی ابلیس اور اس کا لشکر) دوسرے بعضوں کو (یعنی کافر آدمیوں کو) چکی چوڑی باتوں کا دوسرے ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں (مرا و اس سے کفر و مخالفت کی باتیں ہیں کہ ظاہر میں نفس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں، اور باطن میں مہلک تھیں) اور یہی دھوکہ ہے، جب یہ کوئی نئی بات نہیں تو اس کا غم نہ کیجئے کہ آپ کے ساتھ یہ لوگ ایسے معاملات کیوں کرتے ہیں، اصل یہ ہے کہ اس میں بعض حکمتیں ہیں، اس وجہ سے ان کو ایسے امور پر قدرت بھی ہو گئی ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ (یہ) چاہتا کہ یہ لوگ ایسے امور پر قادر نہ رہیں (تو دیکھ) یہ ایسے کام نہ کر سکتے (مگر بعض حکمتوں سے ان کو قدرت دیدی ہے) سو جب اس میں حکمتیں ہیں تو ان لوگوں کو اور جو کچھ (دین کے بارہ میں) افزاء پر دازی کر رہے ہیں (جیسے انکار نبوت جس پر عداوت مرتب ہے) اس کو آپ رہنے دیجئے (اس کی فکر و غم میں نہ پڑیئے) ہم خود متعین وقت پر مناسب سزا دیں گے کہ ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے) اور وہ (شیاطین ان کافر آدمیوں کو اس لئے دوسرے میں ڈالتے تھے تاکہ اس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جاویں جو آخرت پر (جیسا چاہئے) یقین نہیں رکھتے (مراد کافر لوگ ہیں، اگرچہ اہل کتاب ہوں، کیونکہ جیسا چاہئے ان کو بھی یقین نہیں، ورنہ انکار نبوت پرچس پر قیامت میں سزا ہوگی کبھی جزا نہ کرتے) اور تاکہ (میلان نفسانی کے بعد) اس کو (اعتقاد قلبی سے بھی) پسند کر لیں اور تاکہ (اعتقاد کے بعد) مرتکب (بھی) ہو جاویں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔

معارف مسائل

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے، اور اس میں ایک اہم اصولی مسئلہ کی ہدایت دی گئی ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب اور وجہ بننا بھی جائز نہیں۔

آیت کا شان نزول ابن جریر کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد محترم ابوطالب مرض الموت میں تھے تو قریش کے مشرک سردار جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور ایذا رسانی میں لگے ہوئے تھے، اور قتل کی سازشیں کرتے رہتے تھے، ان کو یہ فکر ہوئی کہ ابوطالب کی وفات ہمارے لئے ایک مشکل مسئلہ بن جائے گی، کیونکہ ان کے بعد اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کریں تو یہ ہماری عزت و شرافت کے خلاف ہوگا کہ لوگ کہیں گے کہ ابوطالب کے سامنے تو ان کا کچھ جگاؤ نہ تھے، ان کی موت کے بعد اکیلا پا کر قتل کر دیا، اس لئے اب وقت ہے کہ ہم مل کر خود ابوطالب ہی سے کوئی فیصلہ کن بات کر لیں۔

یہ بات تقریباً ہر کھاپڑھا مسلمان جانتا ہے کہ ابوطالب اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ صرف محبت بلکہ عظمت و جلالت بھی ان کے دل میں پیوست تھی، اور آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر رہتے تھے۔

چند قریشی سرداروں نے یہ مشورہ کر کے ابوطالب کے پاس جانے کے لئے ایک وفد مرتب کیا جس میں ابوسفیان، ابوجہل، عمرو بن عاص وغیرہ قریشی سردار شامل تھے، ابوطالب سے اس وفد کی ملاقات کے لئے وقت لینے کا کام ایک شخص مطلب نامی کے سپرد ہوا، اس نے ابوطالب سے اجازت لے کر اس وفد کو وہاں پہنچایا۔

وفد نے ابوطالب سے کہا کہ آپ ہمارے بڑے اور سردار ہیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں اور ہمارے معبودوں کو سخت تکلیف اور ایذا پہنچا رکھی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ انکو بلا کر سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں تو ہم اس پر صلح کر لیں گے کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں عمل کریں، جس کو چاہیں معبود بنائیں، ہم ان کو کچھ نہ کہیں گے۔

ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یہ آپ کی برادری کے سردار آئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ ہمیں اور ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیں، ہر جھگڑا نہ کہیں، اور ہم آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیں گے، اس طرح باہمی مخالفت ختم ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر میں مختاری یہ بات مان لوں تو کیا تم ایک ایسا کلمہ کہنے کے لئے تیار ہو جاؤ گے جس کے کہنے سے تم سارے عرب کے مالک ہو جاؤ گے، اور حج کے لوگ بھی تمہارے تابع اور باج گزار بن جائیں گے۔

ابوجہل بولا، کہ ایسا کلمہ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں، جتنا کہ وہ کیا ہیں، آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ، یہ سنتے ہی سب برہم ہو گئے، ابوطالب نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے بھتیجے، اس کلمہ کے سوا کوئی اور بات کہو، کیونکہ آپ کی قوم اس کلمہ سے گہرا لگائی ہوئی ہے، آپ نے فرمایا: چچا جان! میں تو اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا کلمہ نہیں کہہ سکتا، اگر وہ آسمان سے آفتاب کو اتار لاویں اور میرے ہاتھ میں رکھ دیں جب بھی میں اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا کلمہ کہوں گا، مقصود یہ تھا کہ ان کو مالوس کر دیں۔

اس پر یہ لوگ ناراض ہو کر کہنے لگے یا تو آپ ہمارے معبودوں (بتوں) کو برا کہنے سے باز آجائیے، ورنہ ہم آپ کو بھی گالیاں دیں گے اور اس ذات کو بھی جس کا رسول آپ اپنے آپ کو بتلاتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوً بِغَیْرِ عِلْمٍ، یعنی آپ ان بتوں کو برا نہ کہیں جن کو ان لوگوں نے خدا بنا کر رکھا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کو برا کہنے لگیں اپنی بے راہ روی اور بے سمجھی سے اس میں لَا تَسُبُّوا الْفُضُلَ مِنْتَہُ سَبَّ مَسْتَحَبٍّ ہے، جس کے معنی ہیں گالی دینا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے فطری اخلاق کی بنا پر پہلے ہی اس کے پابند تھے، کبھی بچپن میں بھی کسی انسان بلکہ کسی جانور کے لئے بھی گالی کا لفظ آپ کی زبان مبارک پر جاری نہیں ہوا لیکن بعض صحابہ کرام کی زبان سے کبھی کوئی سخت کلمہ نکل بھی گیا ہو جس کو مشرکین منکر نہ گالی سے تعبیر کیا، اور قریشی سرداروں کے اس وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس معاملہ کو رکھ کر یہ اعلان کر دیا کہ آپ ہمارے بتوں کو سب و شتم کرنے سے باز نہ آئیں گے تو ہم آپ کے خدا کو سب و شتم کریں گے۔

اس پر قریشی حکم بنائے، جس کے ذریعہ مسلمانوں کو روک دیا گیا، کہ وہ مشرکین کے معبودات باطلہ کے متعلق کوئی سخت کلمہ نہ کہیں، اس آیت میں یہ بات خاص طور سے قابل نظر ہے کہ اس سے پہلی آیت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو رہا تھا، مثلاً ارشاد ہے: اِنَّہُمْ مَا اَدْبٰحُوْا لَیْسَ لَہُمْ عَلَیْہِمْ حَرَجٌ اور اَخْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ اور مَا جَعَلَ لَہُمْ عَلَیْہِمْ حَرَجًا اور مَا اَنتَ عَلَیْہِمْ بِکَافٍ، ان تمام صیغوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب تھے، کہ آپ ایسا کریں یا ایسا نہ کریں، اس کے بعد اس آیت میں طرز خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر کر عام مسلمانوں کی طرف کر دیا گیا، فرمایا لَا تَسُبُّوا اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی کسی کو گالی دی ہی نہیں تھی، ان کو برا و ناست اس کلام کا مخاطب بنانا ان کی دل شکنی کا سبب

..... ہو سکتا ہے، اس لئے خطاب عام کر دیا گیا، اور تمام صحابہ کرام بھی اس میں احتیاط فرمانے لگے (کنزانی البحر المحیط)

دہا یہ معاملہ کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بتوں کا تذکرہ تحت الفاظ میں آیا ہے، اور وہ آیات منسوخ بھی نہیں، ان کی تلاوت اب بھی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیات قرآنی میں جہاں کہیں ایسے الفاظ آئے ہیں وہ بطور مناظرہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے وارد ہوئے ہیں وہاں کسی کی دل آزاری نہ پیش نظر ہے، اور نہ کوئی سجدہ رانسان ان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس میں بتوں کو بُرا کہنا یا مشرکین کو جڑانا منظور ہے، اور یہ ایک ایسا کھلا ہوا فرق ہے جس کو ہر زبان کے اہل محاورہ باسانی سمجھ سکتے ہیں کہ کبھی کسی شخص کا کوئی عیب یا بُرائی کسی مسئلہ کی تنقیح کی لئے ذکر کی جاتی ہے، جیسے عام طور پر عدالتوں میں ہر روز سامنے آتا رہتا ہے، لیکن عدالت کے سامنے ہونے والے بیان کو دنیا میں کوئی آدمی یہ نہیں کہتا کہ فلاں نے فلاں کو گالی دی ہے، اسی طرح ڈاکٹر دل اور بچوں کے سامنے انسان کے بہت سے ایسے عجیب بیان کئے جاتے ہیں کہ ان کو دوسری جگہ اور دوسری طرح کوئی بیان کرنے کا تو گالی بھی جائے، لیکن بضرع علاج ان کے بیان کرنے کو کوئی گالی دینا نہیں کہتا۔

اسی طرح قرآن کریم نے جا بجا بتوں کے بے حس و بے شعور اور بے علم و قدرت اور بے بس ہونے کو اس پیسرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ سمجھنے والے حقیقت کو سمجھ لیں، اور نہ سمجھنے والوں کی غلطی یا کوتاہ نظری واضح ہو جائے، جس کے نتیجہ میں ارشاد ہوا ہے **هَٰذَا نَذَارٌ لِّكَ يٰٰمُوسٰى** یعنی یہ نذر ہے کہ تو نے اپنے رب سے کہا کہ میں نے بتوں کی تمجید کرتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں، یہاں بھی کسی کو بُرا بھلا کہنا مقصود نہیں، اگر اسی اور غلطی کا انجام بد بیان کرنا مقصود ہے، اور فقہار جہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص اس آیت کو بھی مشرکین کی چڑانے کے سبب سے پڑھے تو اس کے لئے اس وقت یہ تلاوت کرنا بھی سبب منوع میں داخل اور ناجائز ہے، جیسے مواضع مکر وہ میں تلاوت قرآن کا ناجائز ہونا سب کو معلوم ہے۔ (روح المعانی)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور قرآن کریم میں تو نہ پہلے کبھی ایسا کلام آیا تھا جس کو لوگ گالی سمجھیں، اور نہ آئندہ آنے کا کوئی خطرہ تھا، ہاں مسلمانوں سے اس کا امکان تھا ان کو اس آیت نے ایسا کرنے سے روک دیا۔

اس واقعہ اور اس پر قرآنی ہدایت نے ایک بڑے علم کا دروازہ کھول دیا، اور چند اصولی مسائل اس سے نکل آئے۔

کسی گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے | مثلاً ایک اصول یہ نکل آیا کہ جو کام اپنی ذات کے اعتبار سے جائز بلکہ کسی درجہ میں محمود بھی ہو مگر اس کے کرنے سے کوئی فساد لازم آتا ہو، یا اس کے نتیجہ میں لوگ مبتلائے معصیت ہوتے ہوں وہ کام بھی ممنوع ہو جاتا ہے، کیونکہ معبودات باطلہ یعنی بتوں کو بُرا کہنا کم از کم جائز تو ضرور ہے، اور ایسا ہی غیرت کے تقاضے سے کہا جائے تو شاید اپنی ذات میں ثواب اور محمود بھی ہو، مگر چونکہ اس کے نتیجہ میں یہ اندیشہ ہو گیا کہ لوگ اللہ جل شانہ کو بُرا کہیں گے تو بتوں کو بُرا کہنے والے اس بُرائی کا سبب بن جائیں گے، اس لئے اس جائز کام کو بھی منہج کر دیا گیا۔

اس کی ایک اور مثال بھی حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی نہ دے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو کسی شخص سے ممکن ہی نہیں کہ اپنے ماں باپ کو گالی دے، فرمایا کہ ہاں انسان خود تو ان کو گالی نہیں دیتا، لیکن جب وہ کسی دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے اور اس کے نتیجہ میں وہ دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی دے، تو اس گالی دلوانے کا سبب یہ بیٹا بنا، تو یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اُس نے خود گالی دی۔

اسی معاملہ کی ایک دوسری مثال عہد رسالت میں یہ پیش آئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ بیت اللہ شریف زمانہ جاہلیت کے کسی حادثہ میں مہدم ہو گیا تھا تو قریش مکہ نے بعثت و نبوت سے پہلے اس کی تعمیر کرائی، اس تعمیر میں چند چیزیں بنا کر ابراہیم کے خلاف ہو گئیں، ایک تو یہ کہ جس حصہ کو حلیم کہا جاتا ہو یہ بھی بیت اللہ کا بجز ہے، تعمیر میں اس کو سراپہ کم ہونے کی بناء پر چھوڑ دیا، دوسرے بیت اللہ شریف کے دو دروازے شرقی اور غربی تھے، ایک داخل ہونے کے لئے دوسرا باہر نکلنے کے لئے، اہل جاہلیت نے غربی دروازہ بند کر کے صرف ایک کر دیا، اور وہ بھی سطح زمین سے بلند کر دیا، تاکہ بیت اللہ شریف میں داخلہ صرف ان کی مرضی و اجازت سے ہو سکے۔ ہر شخص بے محابانہ جاسکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ بیت اللہ کی موجودہ تعمیر کو مہدم کر کے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعمیر کے بالکل مطابق بنا دوں، مگر خطرہ یہ ہے کہ تمہاری قوم یعنی عام عرب ابھی مسلمان ہوئے ہیں، بیت اللہ کو مہدم کرنے سے کہیں ان کے دلوں میں کچھ شبہات نہ پیدا ہو جائیں، اس لئے